بدقسمت دنیادار

"مَیں تو کہا کرتا ہوں کہ اے بدقسمت دنیا دار باپ! تُو نے اپنے بدقسمت بیٹے کو اس قابل بھی نہ کیا کہ تیرے لئے دعاءِ مغفرت ہی کرسکتا؟

ایک دفعہ ایک نواب صاحب سے گفتگو ہوئی تو مَیں نے اُن سے پوچھا آپ کو نمازِ جنازہ کی دُعا یاد ہے؟ —— انہوں نے کہا ہمیں تو یاد نہیں۔ خدا معلوم انہوں نے کتنے جنازے پڑھے ہوں گے؟

(حضرت لاہوریؒ)

احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

مرویاتِ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ——(۲۶)—— محمد سعید الرحمٰن علوی

عَنْ مُعَاوِيَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ تعالیٰ علیه واصحابه وسلم لَا تُقَدِّسُ اللّٰهُ اُمَّةً لَا يَقْضِي فِيهَا بِالْحَقِّ وَ يَاْخُذ الضعيف حَقَّهٗ مِنَ الْقَوِيِّ غير متعتع (رواه الطبرانی ورجاله ثقات مجمع الزوائد ص۲۰۹ ج ۵)

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ روایت جسے طبرانی نے نقل کیا ہے اور اس کے علاوہ مجمع الزوائد نیز ترغیب و ترہیب ص۱۳۵ ج ۳ میں موجود ہے بڑی اہم اور قابل غور ہے اس میں اللہ تعالیٰ کے نبی ایک ایسی بات کی طرف توجہ دلا رہے ہیں جس کا آج ہماری عملی زندگی میں دور دور پتہ نہیں۔ فرمایا جا رہا ہے کہ وہ امت پاکیزگی و عزت کیونکر حاصل کر سکتی ہے جس میں نہ تو حق و انصاف کے ساتھ فیصلے ہوتے ہوں اور نہ ہی کمزور اور ضعیف انسان کو اس کا حق کسی زور آور اور ظالم سے آسانی اور سہولت کے ساتھ مل سکے۔

آپ نے دیکھا کہ اللہ کے نبی علیہ السلام کیا ارشاد فرما رہے ہیں اور ہمارے معاشرے کا کیا حال ہے؟

— اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى - - - - - - - - -

(ہر حال میں عدل کرو، یہی حصول تقویٰ کا مؤثر ذریعہ ہے)

کی تختی اور پلیٹ ہر جگہ نظر آئے گی لیکن عدل و انصاف کا خون اس طرح ہو گا کہ ستم رسیدہ انسان دیوار سے ٹکرا کر رہ جائے گا۔ فی الحقیقت اسلام کا نظام عدالت اتنا سہل اور آسان تھا کہ اس میں کسی مجرم کا بچ کر نکل جانا انتہائی مشکل تھا اوّل تو معاشرے میں جرائم ویسے نام کو تھے کیونکہ معاشرہ میں خدا خوفی بطریق اتم موجود تھی لیکن خدا خوفی گئی، تعلیم و تربیت رخصت ہوئی اور گھر کی چار دیواری سے جھوٹ اور فریب کی تربیت ہونے لگی۔ تعلیم گاہوں میں یہ منفی جذبات پروان چڑھے۔ فحش اور جنسی لٹریچر نے انہیں اور رنگ و روغن کیا اور مختلف ذرائع از قسم سینما، ٹی وی کے ذریعہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ الامان —— اب جرائم ہوتے ہیں اور اس دھڑلے سے کہ کسی کو کسی کا ڈر نہیں۔ مجرم سمجھتا ہے کہ میرے ہاتھ بہت لمبے ہیں میرے پاس اتنی دھن دولت ہے کہ میں ہرے ہرے نوٹوں کے سہارے حالات کا دھارا بدل سکتا ہوں وہ موثر ترین سفارشوں پر نازاں ہوتا ہے "قابل ترین وکلاء" کو بیش قیمت فیس دے کر اسے عدالت میں لا کھڑا کرتا ہے۔ وہ بھلا آدمی جانتے بوجھتے ہوئے محض اپنے سکّے کھرے کرنے کی غرض سے دلائل و براہین کا زور لگا دیتا ہے اور ایسی ڈگر پر چلتا ہے کہ سچ جھوٹ اور جھوٹ سچ نظر آنے لگے اس کے بعد فیصلہ درست ہوگا تو کیسے؟ خود سرکار دو عالم علیہ السلام نے ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا کہ اگر کوئی چرب زبانی سے جھوٹ بول کر اور جھوٹی شہادتوں کی بنیاد پر مجھ سے غلط فیصلہ لینے میں کامیاب ہو گیا تو وہ انتہائی مجرم ہے، میں تو انسان ہوں غیب اور مخفی باتیں نہیں جانتا۔ مقدمہ کی تفصیلات اور شہادتوں پر فیصلہ کرتا ہوں اب لوگوں کا کام ہے کہ وہ خدا سے ڈریں اور شرافت کا مظاہرہ

باقی ۲۵ پر

ہفت روزہ
خدّام الدّین
لاہور

جلد ۲۶ ❖ شمارہ ۳۹
۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۱ھ ❖ ۲۷ مارچ ۱۹۸۱ء

اس شمارہ میں

رئیس الادارہ
پیر طریقت حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ
مدیر منتظم
مولوی محمد اجمل قادری
مدیر
محمد سعید الرحمٰن علوی

بدل اشتراک	سالانہ -/۶۰، ششماہی -/۳۰
	سہ ماہی -/۱۵، فی پرچہ ۱/۵۰

علماءِ اسلام سے ایک دردمندانہ اپیل

ملک و ملّت اس وقت نازک صورت حال سے دو چار ہے یوں تو اس نازک وقت اور بحران سے ملک و قوم کو نکالنے کی ذمہ داری ملک کے ہر فرد اور قوم کے تمام طبقات پر عائد ہوتی ہے لیکن مذہبی راہنماؤں کے فرائض ایسے مواقع پر سب سے زیادہ کٹھن ہوا کرتے ہیں۔ ایک تو ملّت کو متحد رکھنا اور دوسرے قوم کے سامنے حالات کی صحیح تصویر رکھ کر صحیح راستے کی طرف راہنمائی کرنا!

خود علماء کرام سے زیادہ کون اُن کے مقام و منصب کی عظمت و فرائض سے آگاہ ہوگا؟ آپ حضرات تو وہ لوگ ہیں کہ جب چلتے اور علم کے حصول کے لئے نکلتے ہیں تو فرشتے آپ کے راستے میں پر بچھاتے ہیں کہ علومِ نبویہؐ کا وارث جا رہا ہے، اس کے مقام کا تقاضا ہے کہ اُس کی عزت افزائی کی جائے۔

آپ تو وہ ہیں جن کے متعلق میرے آقاؐ (فداہ ابی وامی) نے فرمایا تھا۔ عُلَمَاءِ اُمَّتِيْ كَاَنْبِيَاءِ بَنِيْ اِسْرَائِيْل لیکن یہ کیا——؟

کیا ہم اپنے فرائض صحیح طور پر انجام دے رہے ہیں؟ کیا وہ وقار وہ ادب جو دنیا ہم سے سیکھنے آتی تھی خود ہم میں مفقود نہیں ہو گیا، کیا آج ہم اُسی صورت حال سے دوچار نہیں جس میں علماء یہود گرفتار تھے۔ بخت نصر کے وقت یہودی اس بحث میں مصروف تھے کہ حضرت مسیحؑ کے فضلات پاک تھے یا ناپاک—— تاتاری جب عالمِ اسلام کی اینٹ سے اینٹ بجانے کے بعد بغداد کے دروازے کھٹکھٹا رہے تھے تو کیا علماء اسلام اسی بحث و تحقیق میں مصروف نہیں تھے کہ صحابہ کرام نے

ہیں افضل کون ہیں؟

کیا آپ حضرات اس حقیقت سے ناواقف ہیں، کہ سقوطِ بخارا کے وقت امیرِ بخارا نے علماء سے مشاورت کی کہ اب تو آخری وقت آ پہنچا، اس مصیبت کو ٹالنے کے لئے کوئی حل بتائیے؟ تو علماء نے چند وظائف اور ختم پڑھوانے کے لئے کہا۔ یہ علماء وہ تھے جو علم کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ تھے، جو اس وقت کی عیاش اور بدمست سوسائٹی میں عافیت سے اپنے آپ کو بچانے کی فکر میں ہر چیز سے لاتعلق بیٹھے تھے اور سوسائٹی کے ہر غلط اقدام اور ظلم کو صحت و عدالت کا سرٹیفکیٹ جاری کیا کرتے تھے۔ جو نہ تو خود کوئی عملی کام کر سکتے تھے اور نہ کسی کو صحیح مشورہ تک دے سکتے تھے۔ حتیٰ کہ جب کوئی مصیبت سر پر آن پڑتی اس وقت بھی کوئی کام کی بات اُن کے دماغ میں نہیں آتی تھی۔

آج اگر ہم اپنے آپ کا جائزہ لیں تو یہ بات یقیناً محسوس کر پائیں گے کہ بجائے قوم کی راہنمائی کے اُس کو متحد رکھنے کے ہم باہم برسرِپیکار ہیں۔ اللہ ہمیں وہ روزِ بد نہ دکھائے، جو ہمارے اعمال کے نتیجے میں یقیناً آنے والا ہے اور ملّت کے لئے ہمارے اعمال کے سبب اس روزِ بد کا دیکھنا ناگزیر ہو چکا ہے۔

اب بھی وقت ہے شائد ہم عقل کے ناخن لے لیں اور اپنے آپ کو بھی سنبھال لیں اور قوم کی ڈوبتی ہوئی نیّا کو بھی سہارا دے سکیں۔ ہمارا راستہ تو صحیح اور سیدھا راستہ ہے جو نہ دائیں طرف سے ہو کر جاتا ہے اور نہ بائیں طرف سے بلکہ ہمارا راستہ تو وہ صراطِ مستقیم ہے جس کے متعلق نبی اکرم (صلی اللہ تعالےٰ علیہ و اصحابہ وسلم) نے فرمایا انّ ھٰذا صراطی مستقیم۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا تشخص برقرار رکھنے بلکہ اس کو چار چاند لگانے اور ملک و ملّت کی صحیح قیادت کرنے کی توفیق نصیب فرمائے — اور ہمارے کردار و افعال دینِ حق کی سربلندی کا باعث ہوں — آمین، یا الٰہ العالمین!!

عفا اللہ عنہ
احقر محمد اجمل قادری
۱۱ جمادی الاول ۱۴۰۱ھ
مدرسہ قاسم العلوم لاہور

بقیہ: اللہ کی راہ میں خرچ کرنیوالا

سخاوت و ایثار اور راہِ خدا میں مال کا خرچ کرنا اہلِ صلاح و تقویٰ کی محبوب صفت ہے اور اس میں انہیں طمانیت و مسرّت حاصل ہوتی ہے۔ حضور علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق سخاوت جنّت کے پُربہار درختوں میں سے ایک درخت ہے تو کمینگی و بخل جہنم کے زقوم نما درختوں میں سے ایک درخت۔

معاشرے کے بگاڑ اور فساد کی اصلاح کے لئے قرآنی تعلیمات کے اس پہلو کو اجاگر کرنے اور قوم میں یہ شعور پیدا کرنے کی ازبس ضرورت ہے کہ لوگ باگ دولت و ثروت کو مقصودِ حیات بنا لیں۔ اس سے اتنا ہی ربط و ضبط رکھیں۔ جس کی اللہ تعالےٰ نے اجازت دی اور اس کے ذریعہ آخرت کی بہتری اور بھلائی کا سامان کریں — پروردگارِ عالم اس عظیم صفت "انفاق فی سبیل اللہ" سے ہمیں نوازیں اور اپنی مرضیات کا پابند بنائیں — و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین!

بقیہ: خطبہ جمعہ

دے، اپنے دروازے پر جھکنے کی توفیق بخش — اور اسوۂ حسنہ سرکارِ دو عالم علیہ السلام کے مطابق زندگی گذارنے کی توفیق دے — اللّٰھم ارحم امّۃ محمّد علیہ السلام — اللّٰھم وفقنا لما تحبّ و ترضیٰ بحرمۃ سیّد الانبیاء صلوٰت اللہ تعالیٰ علیہ و سلامہ — و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

بے فکر نہ ہو — آگے مولانا نے جدید تحقیقات کی روشنی میں صاعقہ برق اور رعد وغیرہ پر فاضلانہ گفتگو کی ہے اور توجّہ دلائی ہے کہ جب چند حکمائے طبیعین کی بات تمہارے لئے اتنی معتبر ہے تو انبیاء علیہم السلام کے مشاہدات و تجربات کے متعلق انکار کی کیا گنجائش ہے؟ انہوں نے سائنس و اسلام کی فرضی دشمنی پر تنبیہ کی اور اس سے روکا ہے — ان آیات کے پس منظر میں وہی بات ارشاد فرمائی ہے جو پہلے کشف الرحمٰن کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے۔

اور آخر میں لکھا ہے — رعد کی آواز سن کر کہنا چاہیئے۔

سُبْحَانَ مَنْ يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ اَللّٰهُمَّ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ وَلَا تُهْلِكْنَا بِعَذَابِكَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذٰلِكَ (عثمانی ص ۳۲۴)

ربّانی تنبیہات

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز! بارہا عرض کیا گیا کہ انسانی اعمال پر نتائج مرتب ہوتے ہیں اور ضرور! خالقِ ارض و سما نے متعدد جگہ فرمایا کہ خیر و تقویٰ کی زندگی بسر کرنے پر زمینی و آسمانی برکات و فتوحات تمہارا مقدّر بن جائیں گی، اس کے بالمقابل تم نے کفر و معصیت اور فسق و فجور کی زندگی گذاری تو اللہ تعالیٰ کی گرفت تمہیں اپنی لپیٹ میں لے لے گی — ضروری نہیں کہ یہ گرفت طوفانِ نوحؑ کی شکل میں ہو یا بستیاں الٹا دینے کے انداز میں — ایسا عذاب جس سے پوری قوم ملیا میٹ ہو جاتے۔ ویسے بھی اب حکمتِ ربانی کے خلاف ہے۔ ہاں اِدھر، اُدھر، یہاں، وہاں اس قسم کے واقعات ہوتے ہیں اور ضرور — اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے:۔

(ترجمہ) کہہ دو وہ اس پر قادر ہے کہ تم پر عذاب اوپر سے بھیجے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے یا تمہیں مختلف فرقے کرکے ٹکرا دے اور ایک کو دوسرے کی لڑائی کا مزہ چکھا دے — دیکھو ہم کس طرح مختلف طریقوں سے دلائل بیان کرتے ہیں۔ تاکہ وہ سمجھیں۔

(الانعام ۶۵ — حضرت لاہوریؒ)

حضرت لاہوریؒ کے بقول:۔

"تمہیں اپنی شامتِ اعمال سے ڈرنا چاہیئے۔ کہ وہ ان تینوں قسموں کا دے سکتا ہے۔

اور اس قسم کے عذاب آتے رہتے ہیں تنبیہ ہوتی رہتی ہے — ابھی گذشتہ دنوں نارنگ منڈی اور قلعہ دیدار سنگھ کے علاقہ میں جو کچھ ہُوا وہ کیا قیامت سے کم قصّہ تھا۔ نصف نصف کلو کے اولے، آگ کے شرارے، زلزلہ اور آندھی کیا کچھ نہیں ہُوا — لیکن آہ انسان کی غفلت و مدہوشی کا ماتم نہ کیا جائے تو کیا کیا جائے کہ یہ قوم اب پتھر دل ہو چکی ہے قساوتِ قلبی کا شکار ہو چکی ہے، بیت المقدس پر اسرائیلی قبضہ، یوگنڈا پر عیسائی تسلّط، افریقہ اور ایشیا کے متعدد مسلم ممالک میں خانہ جنگی کی کیفیت، ایران و عراق کی لڑائی، افغانستان کی صورتِ حال اور خود اپنے یہاں کے بدترین حالات — یہ سب کیا ہے۔ قدرت کی تنبیہات ہیں — اس زبردست اور توانا خدا کی طرف سے الارم ہے، سنبھل جانے کا الٹی میٹم ہے — خدارا اٹھو، مسجدوں کو آباد کرو، ذکر و فکر کی محفلیں بساؤ، اپنے گھر، دکان، دفتر اور کارخانہ میں خدائی احکامات کی اطاعت کرو، منکرات سے دامن جھٹک دو، اس پاک رب کے حضور توبہ کرو، روؤ اور استغفار کرو — ورنہ، مٹ جاؤگے، تمہاری داستاں لکھنے والا کوئی نہیں ہوگا — اے اللہ! ہمارے دلوں کی قساوت کو نرمی کے ساتھ بدل دے، ہمیں اپنے گناہوں کا احساس بخش، ان پر ندامت کی توفیق بخش، توبہ و انابت کی توفیق

(باقی ۲ پر)

نشریہ ریڈیو پاکستان
۱۸ مارچ ۸۱ء
شام ۵ بجے!

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والا

محمد سعید الرحمٰن علوی

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ ومن تبعھم الیٰ یوم عظیم۔

ایک مسلم و مومن کے لئے جو باتیں خیر و خوبی کا باعث ہیں ان میں ایک بات اللہ کی راہ میں خرچ کرنا بھی ہے۔ قرآن کریم میں جابجا اس پہلو کو مختلف عنوانات سے ذکر کیا گیا ہے۔ سورۂ بقرہ جو قرآن عزیز کی سب سے بڑی سورت ہے۔ اس کی ابتدا میں ہی اللہ تعالیٰ نے ایمان والے لوگوں کی صفات بیان فرمائیں جن میں تیسری صفت یہی ہے کہ "ومما رزقنا ھم ینفقون" اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اسی سورۃ میں ایک آیت ہے جس کو "آیت بِرّ" کہا جاتا ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے نیک اور صالح بندوں کے لئے جو صفات گنوائی ہیں ان میں اللہ تعالیٰ کی غرض سے مال دینا اور ہر ضرورتمند کی خدمت کرنا نیکی کا ایک انتہائی اہم شعبہ قرار دیا ہے اس سورت کی آیت ۲۷۴ میں اللہ تعالیٰ نے ہر وقت، ہر گھڑی اور ہر آن خرچ کرنے والے حضرات کو خوشخبری دی کہ انہیں کسی قسم کے خوف اور غم سے دوچار نہیں ہونا پڑے گا اور وہ بڑی سکون و طمانیت کی زندگی بسر کریں گے۔

سورۂ آل عمران کی آیت ۱۳۳ ۱۳۴ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے وسیع و عریض جنت کے حصول کی بندوں کو ترغیب دی اور فرمایا کہ یہ مقامِ رضا ان لوگوں کو نصیب ہوگا جو خوشی اور تکلیف ہر حال میں اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

سورۂ انفال کی آیت ۳،۴ میں مومنوں کی من جملہ دوسری خوبیوں کے ایک صفت یہی راہِ خدا میں مال کا صرف کرنا ہے اور اس کے بعد ارشاد ہے "اولئک ھم المومنون حقاً" کہ یہی سچے ایمان والے ہیں"۔ اور پھر ارشاد فرمایا کہ" اُن کے رب کے ہاں ان کے لئے درجے اور بخشش ہے اور عزت کا رزق"۔

سورۂ رعد کی آیت ۲۲ میں اللہ کے دیئے ہوئے مال میں سے پوشیدہ طور پر اور ظاہری طور پر خرچ کرنے والوں کی تعریف فرمائی اور جنت اور اس کے انعامات کا انہیں مستحق گردانا۔

سورۂ مومنون کی ابتدا ہوتی ہے "قد افلح المومنون" بے شک وہ ایمان والے کامیاب ہوگئے"۔ آگے ان کی چند صفات کا ذکر ہے جن میں ایک یہی راہ خدا میں خرچ کرنے کا ذکر ہے۔

سورۂ فاطر کی آیت ۲۹ میں پوشیدہ اور خفیہ طریق سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کو ایسے تاجروں سے تشبیہ دی گئی ہے جن کی تجارت میں کبھی خسارہ نہیں بلکہ اس میں نفع ہی نفع بلکہ بہت زیادہ فائدہ ہے۔

سورۂ ذاریات کی آیات ۱۵ سے ۱۹ ایک جنت اور اس کی نعمتوں کا ذکر کرتے ہوئے اس کا استحقاق ایسے لوگوں کے لئے ثابت کیا گیا ہے۔ جن میں علاوہ دوسری خوبیوں اور صفات کے یہ خوبی بھی ہے کہ وہ اپنے مال میں سوال کرنے والوں اور محتاج لوگوں کا حق سمجھتے ہیں۔

اسی طرح کی آیات سورہ معارج میں ہیں وہاں بھی ایسے لوگوں کو باعزت باغات میں قیام کی نوید سنائی گئی ہے جو اپنے مال میں محروم اور سائل لوگوں

کا حق سمجھتے ہیں۔

سورۂ دہر کی آیات ۸ - ۹ میں ارشاد ہے :-

ترجمہ: وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی محبت و رضا کے حصول کے لئے مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ یہ کہتے ہیں کہ ہم جو تمہیں کھلاتے ہیں تو خالص اللہ تعالیٰ کے لئے۔ نہ تو ہمیں تم سے کوئی بدلہ لینا مقصود ہے اور نہ شکرگزاری"۔

سورۂ لیل میں اللہ تعالیٰ نے اس صاحب تقویٰ اور پرہیزگار کو نارِ جہنم سے دُور رہنے کی خوشخبری سنائی جو اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتا اور اس سے ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان کا مال پاک ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ کے دئے ہوئے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے متعلق آیاتِ قرآنی کا ایک مختصر حصّہ آپ نے ملاحظہ فرمایا ورنہ قرآن میں متعدد مقامات پر اس قسم کے ارشادات موجود ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ایک مسلمان یہ سمجھتا اور محسوس کرتا ہے کہ نہ تو اس کی جان اس کی اپنی ہے نہ مال، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے اور اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے اسے واپس لے لیتا ہے۔ جب کسی چیز کا لینا اور دینا اسی کے قبضہ میں ہے تو پھر اس کی ہدایت کے مطابق کیوں نہ نظام مرتب کیا جائے تاکہ اس کی خوشنودی اور رضا حاصل ہو جائے۔ قرآن عزیز کہتا ہے کہ نیکی و تقویٰ کا اعلیٰ معیار تمہیں اس وقت نصیب ہوگا جب تم اپنی محبوب ترین متاع کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دوگے۔ وہ کہتا ہے کہ اللہ سے سودا کر لو، اپنی جان و مال دے دو اور اس سے اس کی جنّت حاصل کر لو ــــ اس پر منحصر نہیں وہ کہتا ہے کہ ایک کے بدلے دس نیک کا بدلہ تو عام قرآنی ضابطہ ہے۔ جس کا تخلّف کسی شکل نہیں ہوگا۔ اس سے بڑھ کر خالقِ کائنات جتنا چاہے اضافہ کر دے اس کی عنایت و کرم پر منحصر ہے۔

قرآن عزیز بنی اسرائیل کے دور کے ایک بے راہرو سرمایہ دار قارون کا ذکر کرتا ہے جس کے پاس دولت کے انبار تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے اللہ کی مخلوق کے ساتھ خیر و بھلائی کی تلقین کی لیکن وہ ہوا کے گھوڑے پر سوار تھا۔ پیغمبر خدا کی بات کا اثر تو اس نے کیا لینا تھا وہ اُلٹا کہنے لگا کہ میں کسی خدا کو نہیں جانتا، اور یہ دولت و ثروت اور سرمایہ تو سب کچھ میری جہد و سعی کا مرہونِ منّت ہے ــــ پھر اللہ تعالیٰ نے نہ صرف اس کی دولت کو زمین میں دھنسا دیا بلکہ فرمایا: فخسفنا بہٖ ۔ اسے بھی یہی سزا بھگتنا پڑی اس لئے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے عطایا کی قدر نہیں کی۔

قرآن کریم صبح محشر کی نقشہ کشی کرتے ہوئے سورۂ حاقہ میں فرماتے ہیں کہ "جن لوگوں کو بائیں ہاتھ میں نامہائے اعمال دئے جائیں گے وہ اس پر ماتم کریں گے آہ و بقا اور نالہ و شیون سے ان کی حالت پتلی ہو جائے گی۔ انہیں زنجیروں میں جکڑ دیا جائے گا ــــ یہ کیوں ہوگا اس کے اسباب میں ایک بڑا سبب ان کا وہ طرزِ عمل ہے کہ مسکین کی خبرگیری کا انہیں قطعاً لحاظ و پاس نہ تھا ــــ اسی طرح سورۂ مدثّر میں اہلِ جنّت و جہنّم کا باہمی مکالمہ ہے کہ اہلِ جنّت اہلِ جہنّم سے اس ذلّت و رسوائی کا سبب پوچھیں گے تو وہ کہیں گے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی عاجز و ناتواں مخلوق کی خدمت نہیں کی، ان کی خبرگیری نہیں کی۔

سرکارِ دو عالم علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ صبح قیامت میں اللہ تعالیٰ اس قماش کے لوگوں سے فرمائیں گے کہ میری بھوک پیاس اور میری بیماری کا تمہیں ذرہ برابر احساس نہ تھا کہ مجھے کھلاتے پلاتے

کپڑے پہناتے اور میرے دوا دارو کی فکر کرتے۔ بندہ اس پر تعجب کرے گا کہ بھوک بیماری کا اسے اللہ! آپ سے کیا تعلق؟

ارشاد ہوگا کہ میرا بندہ تمہارے پڑوس میں پڑا تھا، بیماری سے کراہ رہا تھا، بھوک سے بلک رہا تھا، پیاس سے اس کی زبان خشک ہوچکی تھی تمہیں ذرہ بھر احساس نہ ہوا؟ یہی وجہ ہے کہ سرکار دوعالم علیہ السلام نے فرمایا کہ مرغن غذاؤں کا اہتمام کرنے کے بجائے اس طرح سالن تیار کر لو کہ اس کا شوربہ ذرا پتلا ہو جائے۔ عین ممکن کہ وقت پر تمہیں اپنے غریب پڑوسی کی خدمت کرنی پڑ جائے۔ فرمایا کہ پھل وغیرہ لاؤ تو فقر و افلاس کا شکار پڑوسیو کی فکر کرو اور ان کے چھلکے وغیرہ عام جگہ پر مت ڈالو ورنہ اس کی محرومی اگر خدا کے حضور فریاد کی شکل پہنچ گئی تو تمہارا معاملہ خراب و بدتر ہو جائے گا۔

الغرض اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا، اہل فقر و افلاس کی خبرگیری، ان کے دکھ درد میں ہاتھ بٹانا، انہیں معاشی طور پر اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے میں مدد دینا ایک مسلمان کا محبوب عمل ہے ایسا عمل جس سے اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت نازل ہوتی اور اسوۂ حسنہ پر عمل کی سعادت نصیب ہوتی ہے۔ اور جس معاشرہ میں ایک طبقہ آسائش و راحت کے تمام سامانوں سے مالا مال ہو اور دوسرا طبقہ نانِ جویں کا محتاج، وہ معاشرہ اللہ تعالیٰ کے غضب کا مورد بن جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہو جاتا ہے اور خدا کی نظرِ عنایت اس سے پھر جاتی ہے۔

آج دنیا کی بہت سی اقوام جو الحاد و بے دینی بلکہ خدا بیزاری کی ڈگر پر چل رہی ہے ان کا اصل المیہ یہی ہے۔ انہوں نے اللہ کی دی ہوئی دولت و ثروت اور اس کے عطا کردہ سرمایہ کو اپنی ملکیت خاصہ قرار دے کر اللہ اور اس کے بندوں کے حقوق کو پامال کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ دھن دولت تباہی کا پیش خیمہ بن گئی اور ملکوں اور قوموں کا سکون لٹ گیا ——— یہ پہلے دن واضح کر دیا گیا تھا کہ احکامات خداوندی سے اعراض اور روگردانی کرنے والے عناصر سکون و طمانیت سے بالکلیہ محروم ہو جائیں گے۔ انہیں ایک پل چین نصیب نہیں ہوگا۔

بخل کو اللہ تعالیٰ نے یہود کی صفت قرار دیا ہے کہ وہ خدا کی مرضی و منشاء کے خلاف زندگی بسر کرنے کی پاداش میں ایسے ہو کر رہ گئے کہ ان کے ہاتھ باندھ دیے گئے قومی اور اجتماعی معاملات میں مالی ایثار اور قربانی انہیں بوجھ نظر آتی ہے اور وہ اس سعادت سے بالکلیہ محروم رہ جاتے ہیں اس کے برعکس اپنے مال و منال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا اور اس سے آگے بڑھ کر ایثار سے کام لینا کہ اپنی ضرورتوں پر دوسروں کو ترجیح دینا ان قدسی صفات لوگوں کا کام ہے جنہیں عرفِ عام میں صحابہؓ کہا جاتا ہے ان کی تعریف و توصیف کے متعدد پہلو ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ذکر کیا ان میں سے ایک پہلو یہ بھی ہے کہ وہ اپنے سرمایہ و دولت کو حضرت حق کی رضامندی کی خاطر اس بے دریغ طریق سے خرچ کرتے ہیں کہ انہیں یہاں تک بھی یاد نہیں رہتا کہ محض روزہ کی افطاری کے لئے ذرا سا بچا لیا جاتا ——— اس مقدس جماعت کے تذکارے قرآن و حدیث بھرے پڑے ہیں ان میں وہ بھی تھے جو سرکار دو عالم علیہ السلام کی طرف سے اجتماعی مقاصد کے لئے چندہ کی اپیل پر گھر کا کل سرمایہ اور سازو سامان لاکر آپ کے قدموں میں ڈھیر کر دیتے ہیں ایسے بھی ہیں جو نصف سرمایہ لاکر قربان کر دیتے ہیں ایسے بھی ہیں جن کے سینکڑوں اونٹ غلّہ کے آتے ہیں تو انہیں مدینہ کی آبادی پر تقسیم کرا دیتے ہیں۔ امر واقعہ یہی ہے۔ کہ

(باقی ۵ پر)

مجلسِ ذکر

۱۰ شوال المکرم ۱۳۷۴ھ
۲ جون ۱۹۵۵ء

حضرت لاہوریؒ نے فرمایا:

کامل کی صحبت کا اثر

ہم اس حلقہ ذکر میں اللہ کا نام لیتے ہیں اصل میں یہ حلقہ ان احباب کے لیے ہے جنہوں نے قادری خاندان میں میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے ان کے علاوہ اور دوست بھی آتے ہیں۔ چشم ماروشن دل ماشاد جس کا دل چاہے شامل ہو ہم کسی کو روکتے نہیں ہیں وقتاً فوقتاً خاص احباب کے لیے عرض کرتا رہتا ہوں تاکہ اس سے ان کو کچھ فائدہ ہو اور وہ اپنی ذمہ داری کو سمجھیں۔ بیعت لینے والا بھی ذمہ دار ہے کہ وہ اپنے متعلقین کو ایسا راستہ سمجھائے۔ کہ وہ جہنم سے بچکر جنت میں پہنچ جائیں۔ بیعت کنندہ عہد کرتا ہے اور شیخ۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جو حکم تبلائے گا ان پر عمل کروں گا۔

امراض روحانی کا علاج صحبت شیخ کے سوا کچھ نہیں، کتابیں پڑھنے سے یہ دور نہیں ہوتے۔ دینی مدارس میں کتابوں پر عبور ہو جاتا ہے مگر تکمیل نہیں ہوتی۔ اس لیے علماء کی بھی کما حقہٗ اصلاح نہیں ہوتی۔ بعض امراض روحانی جسمانی امراض سے زیادہ مہلک ہوتے ہیں۔ جسمانی بیماریاں قبر سے ورے ختم ہو جاتی ہیں روحانی بیماریاں ساتھ جاتی ہیں۔ زمینداروں، تاجروں اور سرکاری ملازمین کو تو جانے دیجئے۔ اہلِ علم بھی ان سے نجات نہیں پا سکتے جب تک کہ خاص اہتمام نہ کریں۔ مدارس عربیہ میں طلبہ کو علم دانستن کے درجہ پر حاصل ہوتا ہے۔ داشتن کے درجہ پر نہیں یعنی دین سمجھ کر آتے ہیں لیکن اکثر ان میں سے ایسے ہوتے ہیں جن پر دین کا عملی رنگ چڑھا ہوا نہیں ہوتا اس لیے علماء کے اندر بھی روحانی بیماریاں باقی رہتی ہیں جب تک اللہ والوں کی صحبت نصیب نہ ہو۔ نبوّت کا دروازہ بند ہو چکا ہے اس کے سوا باقی تمام کمالات نبویؐ کے حاملین اب تک رہے ہیں۔ اب بھی موجود ہیں اور قیامت تک رہیں گے۔ انہیں کی صحبت میں اصلاح احوال ہوتی ہے۔ اللہ والے موتیوں سے بھی گراں قیمت ہیں۔ موتی ملنے ارزاں لیکن اللہ والے ملنے گراں۔ وہ نایاب نہیں کم یاب ہیں اور کامل مل جاتے تو اس کے قلب سے ادب، عقیدت اور اطاعت کی تین تاریں جوڑنے سے فائدہ ہوتا ہے ان کے بغیر حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں رہنے والے بھی محروم رہے جن کو آنحضرتؐ کا نہ پاس ادب تھا نہ عقیدت تھی۔ اور نہ اطاعت کرتے تھے وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقتدی تھے۔ مدینہ منورہ کے رہنے والے تھے۔ ان میں سے ایک شخص مرا تو آپؐ نے نماز جنازہ خود پڑھائی۔ اللہ تعالےٰ کی طرف سے ارشاد ہوا۔ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ط اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ (سورۃ التوبہ رکوع ۱۰) منافقین مسجد نبویؐ میں تین نمازیں با جماعت پڑھتے تھے مگر ان کی نمازوں کے متعلق ارشاد باری ملاحظہ ہو: وَاِذَا قَامُوْا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى (سورۃ النساء رکوع ۱۸) حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ منافقین کا پتہ لگانا ہو تو فجر اور عشا میں دیکھ لیا کریں۔ ان دونوں نمازوں میں وہ غیر حاضر ہوں گے۔ مسجد نبوی کے ایک حصّہ کے متعلق آنحضورؐ کا ارشاد ہے: مَا بَيْنَ بَيْتِيْ وَمِنْبَرِيْ رَوْضَةٌ مِّنْ رِّيَاضِ الْجَنَّةِ۔

منافق وہاں بھی نماز پڑھتے رہے ہوں گے
لیکن چونکہ ادب عقیدت اور اطاعت نہ
تھی اس لیے جہنم کا ایندھن بنے۔

میرے دو مربی ہیں۔ مخدومنا حضرت
خلیفہ غلام محمد صاحبؒ دین پوری، اور
مخدومنا حضرت مولانا تاج محمود صاحبؒ
امروٹی، حضرت دین پوریؒ میری بیعت کے
بعد چالیس سال تک زندہ رہے مگر میں
نے انہیں کبھی تقریر کرتے ہوئے نہیں
سُنا۔ شیخ کامل اور طالب صادق کا دل
را بدل رہے است والا معاملہ ہوتا ہے
ان کے جوتوں کی خاک سے بہت کچھ ملا۔
اس لیے میرے دل میں ان کی بے حد
قدر ہے۔ میرا فرض ہے آپ کو توجہ دلانا
اور آپ کا فرض ہے عمل کرنا۔ روحانی
بیماریوں کا علاج قرآن میں ہے۔ لیکن
اس کے لیے کامل کی صحبت کی ضرورت
ہے اگر ان سے شفا ہوگئی تو قبر بہشت
کا باغ بن جائے گی ورنہ جہنم کا گڑھا
ہوگی۔ ان بیماریوں میں سے ایک کبر ہے
کبر کے متعلق حضورؐ کا ارشاد ہے کہ
جس کے دل میں ذرا سا تکبر ہوگا وہ
بہشت میں نہ جائے گا۔ صحابہ کرام کے
دریافت کرنے پر فرمایا کہ حق کا انکار اور
لوگوں کو ذلیل سمجھنا یہ کبر ہے۔ اللہ والوں
کی صحبت میں کبر نکل جاتا ہے وہ ہستی
مسل کر رکھ دیتے ہیں۔ حضرت نبی اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں ایک دعا
یہ بھی ہے کہ: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ فِيْ عَيْنِيْ
صَغِيْرًا وَّفِيْ اَعْيُنِ النَّاسِ كَبِيْرًا ۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر انانیت
نہ تھی۔ آپؐ کی صحبت میں صحابہؓ کے اندر
نہ رہی۔ حضرت عمرؓ کا درجہ ملاحظہ ہو
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اگر نبی
ہوتا تو حضرت عمرؓ ہوتے لیکن چونکہ ہستی
فنا ہوچکی ہے اس لیے حضرت حذیفہؓ
سے پوچھتے ہیں کہ میرا نام منافقین کی
فہرست میں تو نہیں؟ حضرت مجدد الف
ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر کافر
فرنگ ملحد اور زندیق کو انسان اپنے
سے بدرجہا بہتر سمجھے۔ یہ ان کا حال ہے
ان کی ہستی فنا تھی۔ اس قسم کے اللہ
کے بندوں کی صحبت میں ہستی فنا ہوتی ہے

ع صدقے میں تیرے ساقی مشکل آسان کردے
ہستی مری مٹا دے خاک بے جان کردے

ایک میان میں دو تلواریں نہیں
سما سکتیں۔ انا بھی ہو اور اللہ بھی ہو
یہ ناممکن ہے انا مرتی ہے، تو رنگ
چڑھتا ہے۔

آنچہ از دل مے خیزد و بر دل مے ریزد

ایک دفعہ نواب بہاولپور نے کسی
بزرگ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا خیال
ظاہر کیا تو کئی مقامات سے دعوت نامے
آئے میرے دادا پیر حضرت حافظ محمد صدیق
صاحبؒ کی طرف سے دعوت نامہ تو
نہ آیا۔ مگر وزیر صاحب خود ان کے ہاں
حاضر ہوئے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ وزیر
صاحب فقیر خود بہاول پور چلے گا اونٹ
پر ایک دیگ لاد کر لے جائیگا جو
رزق اللہ دے گا اس میں سے سب
کھائیں گے۔ نواب صاحب کی دعوت نہ
کھائیں گے پھر فقیر نواب صاحب سے
جو کہے گا وہ کانوں سے گزر کر نواب
صاحب کے دل پر پڑے گا۔ نواب صاحب
کی آنکھیں کھلیں گی، پھر وہ آپ سے
ریاست کا حساب لیں گے اور آپ ان
کو زہر دے کر ماریں گے نتیجہ یہ نکلے گا
کہو تو بندہ حاضر ہے۔ وزیر صاحب نے
ہاتھ جوڑے اور کہا کہ ایسا پیر ہمیں نہیں
چاہیے۔ میں نے صرف ایک بیماری کا
ذکر کیا ہے ورنہ روحانی بیماریاں بیشمار ہیں۔

ع نفس ماہاں کمتر از فرعون نیست
لیک اورا عون ما را عون نیست

بعض اوقات گدڑی میں لعل ہوتے ہیں:

خاکساران جہاں را بحقارت منگر
تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

اس قسم کے لوگوں کی دل آزاری کرنے
سے بیڑا غرق ہو جاتا ہے۔ حاصل یہ نکلا
کہ روحانی بیماریاں صحبت کے بغیر نہیں
نکلتیں۔ —— حضرت امروٹیؒ کی نظیر نہ
تب تھی اور نہ اب ہے۔ ایک دفعہ
ایک پولیس انسپکٹر آپ کے ہاں آیا۔ اور
عرض کی کہ حضرتؒ، کپتان پولیس نے مجھے
بھیجا ہے کہ آپ اپنی سواری کا گھوڑا قیمتاً
مجھے دے دیں۔ فرمانے لگے کہ تمہیں خدا
کی قسم ہے جس طرح ان کا پیغام مجھ کو
دیا ہے اسی طرح میرا پیغام بھی ان کو
پہنچا دینا۔ میں نے گھوڑے جہاد کے
لیے رکھے ہیں اور جہاد انگریزوں سے
کروں گا۔ تم تو گھوڑا مانگتے ہو۔ میں
تو اپنا اور گھوڑوں کا پیشاب آنکھ میں
ڈالنے کے لیے بھی نہیں دے سکتا۔
اس کے باوجود جب کبھی خاص بات فرماتے

باقی ۱۷ پر

حضرت مولانا ابو الکلام آزاد
رحمۃ اللہ علیہ آج بھی جامع
مسجد شاھجھانپوری
کے
بلند و
بالا
میناروں
کے سائے
میں آسودۂ
خاک ہیں

Mazar of Maulana Azad near Jama Masjid, Delhi as it stands today. Baseless reports appeared in the press that it had been demolished.

ایڈیٹر نوائے وقت کے نام کھلا خط

مولانا ابو الکلام آزادؒ

اُن کی خدمات لافانی ہیں

مکرمی مجید نظامی صاحب!

سلام مسنون۔

طالب خیریت، بخیریت

موقر رسالہ ہفت روزہ "خدام الدین" لاہور کی وساطت سے شرف ملاقات کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ قوی امید ہے کہ "نوائے وقت" کے ذریعے جواب با صواب سے نوازیں گے "خدام الدین" کے ذریعے آپ سے مخاطب ہونے کی جسارت اس بنا پر کی ہے کہ درج ذیل سطور آپ کبھی بھی "نوائے وقت" کے صفحات کی زینت بنانے پر آمادہ نہ ہوتے۔

آپ کے جریدہ "نوائے وقت" کی ۱۰ر دسمبر ۱۹۸۰ء کی اشاعت میں ایک دو کالمی خبر "مولانا ابو الکلام آزادؒ کی قبر مسمار کر کے نام و نشاں تک مٹا دیا گیا" کے زیر عنوان شائع کی گئی۔ ضمنی طور پر اسی خبر میں یہ سُرخی بھی جمائی گئی کہ اب "قبر کی جگہ گوالے بھینسیں باندھ رہے ہیں"

امام الہند مولانا محی الدین احمد ابو الکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ کی شان مبارکہ میں اس بے بنیاد "لغو" بے ہودہ اور تضحیک آمیز خبر کی اشاعت کے وقت (بحیثیت "مسلمان") قرآنی حکم "اِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا" کو جس طرح پس پشت ڈالا گیا "اسلامی صحافت" میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

آپ نے اس "جھوٹی" ژاژ خائی کی حوصلہ شکنی اور اس پر اظہار ندامت کرنے کے بجائے اسے مزید نمک مرچ لگا کر پیش کرنے کا فیصلہ کیا چنانچہ آپ نے عبدالقادر حسن جیسے نام نہاد صحافی سے ۲۳ر دسمبر ۱۹۸۰ء کو ایک طویل مضمون لکھوا کر "نوائے وقت" میں خصوصی طور پر شامل اشاعت کیا جس میں موصوف نے حضرت امام الہندؒ کے افکار و اعمال کو ہندو سیاست کی بے لوث خدمت اور عامۃ المسلمین کی دشمنی قرار دیا۔ علاوہ ازیں حضرت امام الہندؒ کی رفیع المرتبت علمی و ادبی خدمات اور امام ابن تیمیہؒ و شاہ ولی اللہؒ جیسے اسلاف سے ان کے ثقافتی رشتہ کو استوار رکھنے کا اعتراف کرنے کے باوجود دیدہ و دانستہ بڑی شوخ چشمی سے یہاں تک تحریر کر دیا گیا۔ کہ "اس کی سیاسی گمراہی بھی برصغیر کے مسلمان

کبھی فراموش نہیں کر سکیں گے۔" اور یہ کہ کتابوں کا ابوالکلام اور عمل کا ابوالکلام دو الگ الگ شخصیتیں ہیں۔ کسی بڑی شخصیت میں اتنا تضاد ہمیں شاذو نادر ہی ملتا ہے" حتےٰ کہ عبدالقادر حسن صاحب کی خیرگی اور "دیدہ دلیری" کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ وہ ضیغم اسلام حضرت امام الہندؒ کی نسبت یہاں تک خامہ فرسائی کرنے سے بھی نہیں چُوکے کہ "لیکن ابوالکلام کا شمار تو صنم خانے کو کعبہ سے ملنے والی بات تھی؟"

جناب نظامی! آپ نے اسی پر بس نہیں کی بلکہ مولانا آزادؒ کے متعلق اپنے سابقہ اتہامات کی خود ہی مٹی پلید کرکے ۱۶ر جنوری ۱۹۸۱ء کے "نوائے وقت" کی اشاعت میں ایک تصویر کے کیپشن میں اپنے تئیں یہ نوید بھی سنائی کہ مولانا آزادؒ کا مزار چند برسوں میں معدوم ہو جائیگا۔

نظامی صاحب! اپنے دل سے سوال کیجئے۔ اور خدا کو حاضر ناظر جان کر بتلائیے کہ آپ نے مذکورہ بالا تینوں اشاعتوں میں جو کچھ شائع کیا، کیا وہ صحافت کے معیار پر پورا اترتا ہے۔؟ کیا اسلامی صحافت کے تقاضے یہی ہیں؟

نظامی صاحب! برصغیر کی یکصد سالہ تاریخ تا دمِ ایں، ایک ایک لمحہ لئے ہمارے سامنے ہے اور ہمیں پکار پکار کر بتلا رہی ہے کہ کس کی سیاست سے مسلمان کو فائدہ پہنچا اور کس کی سیاست سے مسلمان تباہ ہُوا یہ حقیقت ہے کہ اگر ہندوستان کی سرزمین پر ابوالکلام آزادؒ، حسین احمد مدنیؒ اور کے سرفروش رفیقانِ سفر کے رحمت آفریں وجود نہ ہوتے تو خدا معلوم آج ہندوستان کا نقشہ کیا ہوتا؟ مُسلم سپین کی طرح، مسلم ہندوستان میں، ہند کا مسلمان کس طرح معدوم ہو جاتا!! لال قلعہ دہلی، فتح پور سیکری، تاج محل آگرہ، مقبرہ سلطان ٹیپو، سرنگا پٹم اور سرزمین گنگ و جمن کے قریہ قریہ میں پھیلی مسلمان اکابر کی یادگاروں کا کیا حشر ہوتا!!!

حضرت امام الہندؒ کا کلکتہ کی انگریزی عدالت میں اس وقت جرأت، دلیری، فراست اور حریت و آزادی کے جذبہ سے بھرپور بیان، صفحات تاریخ سے کبھی بھی محو نہیں کیا جاسکتا۔ جب کہ بڑے بڑے مسلمان جغادری رہنما جیل کے تصور سے بھی ناآشنا تھے۔ اس وقت حضرت امام الہندؒ نے نہ صرف غاصب انگریزوں کے خلاف پامردی و استقامت سے جنگ آزادی لڑی بلکہ انگریزی سامراج کے پروردہ اہل وطن کے بے وفاؤں، کی بھی نشاندہی کی۔ موصوف کی اسلام و وطن کے لیے خدمات مسلمانانِ برصغیر کے لیے سرمایۂ افتخار ہیں۔

کل کی کسے خبر ہے کہ کس کا مقبرہ معدُوم ہوگا اور کون لافانی بن جائے گا! قبل از وقت جھوٹی پیشگوئیاں دل کو تسلی دے سکتی ہیں۔ تاریخ کا دھارا نہیں موڑ سکتیں۔

نظامی صاحب! پاکستان کی مخصوص صحافتی فضا میں بیٹھ کر حریت پسندوں کی پگڑیاں اچھالنا کوئی کمال کی بات نہیں۔ ابوالکلام آزادؒ، حسین احمد مدنیؒ عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور اسلامیانِ برصغیر کے دیگر رہنماؤں کے متعلق اس قسم کے مضامین چھاپ دینے سے آپ کی عظمت میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔ مزہ تو تب ہے تو آپ اپنے کو صحیح و سچا مسلمان ثابت کرنے کے لیے قرآنِ پاک کے حکم "اِنْ جَاءَکُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْا" پر عمل پیرا ہوں۔

"اطلاعاتِ ہند" نامی مجلہ کے فروری ۱۹۸۱ء کے شمارہ میں سے ایک صفحہ کی فوٹو سٹیٹ کاپی ۲۰ر فروری ۱۹۸۱ء کو آپ کی خدمت میں ارسال کی تھی۔ جس میں سفارت خانۂ ہند در اسلام آباد کی طرف سے آپ کی جھوٹی خبر کی تردید موجود تھی۔ توقع تھی۔ کہ آزاد صحافت کے تقاضوں سے آپ بخوبی آگہی رکھنے کے باعث اپنی سابقہ غلط اور بے بنیاد خبر کی تردید کرنے میں کوئی عار محسوس نہ کریں گے۔ لیکن افسوس آج ۴ر مارچ ۱۹۸۱ء (تادمِ تحریر) کو خدام الدین لاہور کے ذریعے آپ سے مخاطب ہونے کی جسارت حاصل کر رہا ہوں۔ امید کامل ہے کہ فراخ دل اور روشن ضمیر لوگوں کی طرح آپ اپنی غلطی کا اعتراف، شائع کرنے میں لیت و لعل سے کام نہیں لیں گے۔ والسلام

جواب کا منتظر

عبدالحفیظ بن عبدالعزیز

این-۱۰ای - ۱۷۳۴، اے۔ سلطانپورہ

راولپنڈی

۴ر مارچ ۸۱ء

السید حضرت مولانا ذوالفقار علی دیوبندی قدس سرہٗ

حافظ خالد محمود - ایم، اے — قسط نمبر ۷

کلمۂ تاسف

افسوس صد افسوس کہ آج برصغیر پاک و ہند میں محسن کش سیاسی فضا نے اس انقلابی جرنیل کو بھلا دیا ہے جس نے وطن کی آزادی کی خاطر غیر ملکی استبداد و اقتدار کو فنا کرنے کے لیے ایک ہمہ گیر تحریک کے نتیجہ میں مالٹا کی سیاسی جیل میں اپنے عمر کے پانچ سال گذارے اور جس کی تربیّت نے ہند و پاک میں آزادی پسند و حریت خواہ لوگوں کا ایک ایسا مضبوط گروہ پیدا کر دیا تھا جس کے مقابلہ میں دنیا میں سب سے بڑی حاکمانہ قوت کو اپنی قوت وطاقت کا پشتارہ اٹھا کر اس برعظیم کی حدود سے باہر ہو جانا پڑا۔ برصغیر پاک و ہند کے اتنے بڑے محسن کو بھلا دینا اس کے کارناموں کو فراموش کر دینا بقول شخصے برصغیر پاک و ہند کی روایتی محسن کشی کی تاریخ میں ایک نہایت سیاہ باب ہے۔ افسوس صد افسوس ——

—— یہ چند سطور جملہ معترضہ کے طور پر اپنے مجروح جذبات اور زخمی احساس کے تحت قلم سے بے اختیار نکل گئیں۔ ورنہ ان شکووں اور گلوں کے لیے نہ یہ کوئی موقع ہے اور نہ مقام۔ ع

بے قصد لکھ دیا ہے مگر اضطراب میں

وصال

۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۱ء کی صبح داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ دہلی میں وفات پائی۔ جنازہ دیوبند لایا گیا اور حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی کی قبر مبارک کے قریب حضرت نانوتوی کا یہ بے مثال شاگرد اور ان کے علوم و معارف اور روایات کا امین، گنجینۂ فضل و کمالات، عظیم راہنما، سیاست دان اور انقلابی قائد دنیا کی نظروں سے پوشیدہ ہوگیا۔

تصانیف

قرآن مجید کا اردو ترجمہ و فوائد۔ ایضاح الادلہ۔ احسن القریٰ۔ الابواب و تراجم بخاری۔ مختلف فتاوی۔ کلیات شیخ الہند اور سیاسی خطبات تصنیفی و علمی یادگار ہیں [1]

حامد حسن

مولانا ذوالفقار علی کے دوسرے صاحبزادے مولوی حامد حسن ہیں۔ جن کی ملازمت کا اکثر حصہ ضلع بجنور میں گذرا۔ اور ۱۳۲۹ھ میں ان کا انتقال ہُوا۔

مولانا حکیم محمد حسن

مولانا ذوالفقار علی کے تیسرے صاحبزادے محمد حسن تھے۔ آپ نے علوم دین و حدیث شریف مولانا رشید احمد گنگوہی سے گنگوہ میں حاصل کئے اور دوسرے علوم دار العلوم دیوبند میں دوسرے علمار کے علاوہ اپنے بڑے بھائی شیخ الہند سے پڑھے۔ طب کی تعلیم دہلی میں حکیم عبدالمجید صاحب سے پائی تھی۔ شیخ الہند ان کی نہایت تعظیم و توقیر فرماتے۔ شیخ الہند مالٹا سے خطوط کے ذریعے تمام خاندان کو ہدایت کرتے کہ حکیم صاحب کی تعظیم و توقیر میں کوتاہی نہ کی جائے۔ حکیم صاحب سیر و تفریح اور شکار کے بہت شائق تھے والد گرامی کی جائیداد کا انتظام و انصرام انہی کے ہاتھ میں تھا والد گرامی کی کافی جائیداد تھی اور بہت بڑے زمیندار تھے۔ حکیم صاحب جامع الکمالات عالم تھے۔ متعدد حج کئے۔ آپ دار العلوم میں مدرس و طبیب رہے [2] قاری محمد طیب صاحب لکھتے ہیں [3]

(۱؎ تاریخ دیوبند از محبوب رضوی (ادارہ تاریخ دیوبند بار اول سنہ ۱۹۵۲ء ص ۱۵۰) ۲؎ حیات شیخ الہند از مولانا اصغر حسین ص ۸ ص ۱۸۱، ۳؎ حاشیہ سوانح قاسمی از مناظر احسن گیلانی ادارہ دارالعلوم سنہ ۷۵ ص ۲۶۱ جلد دوم۔)

"شیخ الہند کے حقیقی بھائی مولانا حکیم محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ کی پوری زندگی دارالعلوم کی علمی خصوصیات کے ساتھ علمی میدان میں ان کی شخصیت نمایاں رہی۔"

حافظ محمد محسن

مولانا ذوالفقار علی کے چوتھے صاحبزادے حافظ محمد محسن تھے۔ عمر کا اکثر حصہ ملازمت میں گزرا۔ نہایت صالح، دین و دنیا کے اعتبار سے نہایت معزز تھے۔" ۱؎

(۱؎ حیات شیخ الہند از میاں اصغر حسین دارالکتب اصغریہ دیوبند سنہ ۱۹۴۵ء ص ۷-۸

اساتذہ وشیوخ

مولانا ذوالفقار علی کے اساتذہ وشیوخ کا تعارف کرانا نہایت ضروری معلوم ہوتا ہے کیونکہ اساتذہ وشیوخ کے تعارف کے بغیر صاحب سوانح کی شخصیت پر پوری روشنی نہیں پڑتی۔ چنانچہ مولانا کے اساتذہ اورشیوخ کا مختصر سوانحی خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔

مولانا مہتاب علی

آپ دیوبند کے عثمانی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ مولانا ذوالفقار علی کے بڑے بھائی اور استاد ہیں۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن اسیر مالٹا کے تایا ہوتے ہیں۔ انیسویں صدی میں مولانا مہتاب علی دیوبند کے مشہور و معروف استاذ تھے دیوبند میں آپ کا ابتدائی مکتب، دیوبند کی مشہور فیاض شخصیت شیخ کرامت حسین کی بیٹھک میں قائم تھا۔ جو بعد میں شیخ کرامت حسین کے بیٹے شیخ نہال احمد کی بیٹھک قرار پائی۔ مولانا مہتاب علی کو فارسی و عربی کی ابتدائی کتب پڑھانے کا خاص ملکہ وسلیقہ تھا۔ ظریف الطبع و فہم و فراست کے مالک تھے، آپ کے تلامذہ میں مولانا محمد قاسم نانوتوی ایسی یگانۂ روز گار شخصیت شامل ہے، شیخ الہند مولانا محمود حسن نے فارسی کی بڑی کتابیں اور عربی کی ابتدائی کتابیں قدوری تک آپ سے ہی پڑھی تھیں۔

مولانا مناظر احسن گیلانی سوانح قاسمی میں لکھتے ہیں ۱؎ (سوانح قاسمی از مولانا مناظر احسن گیلانی اشاعت کردہ دارالعلوم دیوبند سنہ ۱۳۷۳ھ، صفحہ ۱۸۷، ۱۸۸)

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فارسی اور عربی کی ابتدائی تعلیم کا بہت اچھا سلیقہ شیخ مہتاب علی مرحوم میں پایا جاتا تھا۔ مولانا قاری محمد طیب الحفید نے اپنی قلمی یادداشت میں لکھا ہے کہ شیخ الہند (مولانا محمود حسن) کے والد ماجد مولانا ذوالفقار علی صاحب نے بھی ابتدائی تعلیم اپنے بڑے بھائی شیخ مہتاب علی صاحب سے پائی تھی، ان ہی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نانوتوی (مولانا محمد قاسم) جس زمانہ میں دیوبند کے اس مہتابی مکتب میں علم کی روشنی حاصل کرنے کے لیے شریک کرائے گئے تھے تو اس وقت شیخ الہند مرحوم کے والد ماجد مولانا ذوالفقار علی بھی اس مکتب میں زیر تعلیم تھے اور جس جماعت میں مولانا نانوتوی لیے گئے تھے مولانا ذوالفقار علی صاحب اس سے اوپر کی جماعت میں ترقی کر چکے تھے۔"

"مولانا محمد یعقوب نانوتوی سوانح عمری مولانا محمد قاسم نانوتوی میں لکھتے ہیں ۱؎ (بحوالہ سوانح قاسمی ص ۱۸۶، ایضاً ص ۱۸۹، ۱۹۲)

یہاں دیوبند میں مولانا مہتاب علی صاحب کا مکتب تھا۔ شیخ کرامت حسین مرحوم کے گھر پر شیخ نہال احمد پڑھتے تھے۔ مولوی صاحب (مولانا محمد قاسم نانوتوی) کو انھوں (مولانا مہتاب علی) نے عربی شروع کرائی۔"

مولانا مناظر احسن گیلانی مکتب مہتابی کے بارے میں لکھتے ہیں ۲؎

مجھے امید ہے کہ مکتب (مہتابی) کے اس تاریخی مکان کی حفاظت کی جائے گی کہ دینی تعلیم کی عمومیت کا سرچشمہ یہیں سے پھوٹا ہے۔"

(کیونکہ اسی تاریخی مکان کے سامنے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی گئی تھی)

"مولوی مہتاب علی صاحب مرحوم جو مولانا نانوتوی کے استاد تھے۔ ظریف شخص تھے اور براہ فراست ہر ایک شاگرد کا اس کے حسب حال نام رکھتے تھے۔ چنانچہ مولانا مرحوم (نانوتوی) کا نام علم کی بجری رکھا تھا۔"

"مولانا مہتاب علی دارالعلوم دیوبند کے افتتاح اور مشورے میں شریک تھے۔

دارالعلوم دیوبند کی سب سے پہلی مجلسِ شوریٰ کے جو ارکان منتخب کئے گئے ان کی فہرست یہ ہے، جس میں مولانا مہتاب علی بھی شامل ہیں:

۱۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی۔

۲۔ حاجی سید عابد حسین

۳۔ مولانا مہتاب علی (استاد مولانا محمد قاسم نانوتوی)

۴۔ مولانا ذوالفقار علی (برادر خورد و تلمیذ مولانا مہتاب علی)

۵۔ مولانا فضل الرحمٰن (والد مولانا شبیر احمد)

۶۔ شیخ نہال احمد (تلمیذ مولانا مہتاب علی)

۷۔ منشی فضل حق۔

(رپورٹ دارالعلوم دیوبند ۱۲۸۳ھ)

دارالعلوم دیوبند کے ۱۲۸۳ھ کے سالانہ امتحانات جن اصحاب نے لیے ان کے متعلق مذکورہ سال کی رپورٹ میں درج ہے۔

(ابتدائی سال (۱۲۸۳ھ مطابق ۱۸۶۷ء) کی تعلیم کا امتحان حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی اور حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب و مولوی مہتاب علی صاحب نے نہایت سرگرمی اور مستعدی سے لیا۔"

غرضیکہ مولانا مہتاب علی دارالعلوم کے ممتحنین کی فہرست میں بھی ہیں ۱۲۸۴ھ میں بھی مذکورہ بالا حضرات میں مولانا مہتاب علی ممتحنین میں موجود ہیں۔ اسی طرح ۱۲۸۵ھ میں بھی ممتحن ہیں۔ ۱۲۸۵ھ کے بعد مولانا مہتاب علی ۱۶ر ذوالحجہ ۱۲۸۹ھ مطابق ۱۸۷۳ء کے سالانہ تقسیم انعام دارالعلوم دیوبند میں بھی جیسا کہ دارالعلوم کی رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے۔ جامع مسجد دیوبند کے جلسہ میں شریک ہیں بعد ازاں مولانا مہتاب علی کسی مجلس اور جلسے میں نظر نہیں آئے۔ دارالعلوم دیوبند کی ایک رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ:

۱۲۹۰ھ کی مجلس شوریٰ میں ایک نام کی تبدیلی کے علاوہ وہی نام رہے مولانا رشید احمد گنگوہیؒ شامل کئے گئے۔ مولوی مہتاب علی اس مجلس شوریٰ میں نہیں لیے گئے۔"

اس تحریر سے معلوم ہوا کہ ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۸۶۷ء سے ۱۲۹۰ھ مطابق ۱۸۷۳ء تک مولانا مہتاب علی زندہ ہیں اور مجلس شوریٰ کے ممبر ہیں۔ البتہ ۱۲۹۰ھ یعنی ۱۸۷۳ء میں مجلسِ شوریٰ میں وہ نہیں لیے گئے۔ چنانچہ ۱۲۹۰ھ کی دارالعلوم کی رپورٹ میں ہے۔

مجلس شوریٰ کے ارکان امسال حسب ذیل ہیں۔

"حضرت مولانا محمد قاسم صاحب، حضرت مولانا رشید احمد صاحب، حاجی عابد حسین صاحب، مولانا ذوالفقار علی صاحب، مولانا فضل الرحمان صاحب"

اولاد

"مولانا مہتاب علی کے ایک صاحبزادے خلیفہ احمد حسن صاحب تھے۔ دوسرے مولانا محمد شفیع صاحب مرحوم جو حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب کے بڑے داماد تھے۔ مولانا محمد شفیع صاحب کے لڑکے مولانا محمد رفیع صاحب مدرسہ حسین بخش دہلی میں آجکل مدرس ہیں"۔ (انوار قاسمی از انوار الحسن (ادارہ سعدیہ مجددیہ لاہور) بار اول ۱۹۲۶ء، ص ۱۰۰، س ۱۰)

تلامذہ

آپ کے ممتاز شاگردوں میں مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا ذوالفقار علی دیوبندی، شیخ الہند مولانا محمود حسن اور شیخ نہال احمد ہیں۔

بقیہ: حضرت لاہوریؒ نے فرمایا:

ہوتی تو فرماتے ان گنہگار آنکھوں نے دیکھا یہ ہے اللہ کے پاک نام کی برکت سے پیدا شدہ جرأت جو فقط کتابوں کے پڑھنے سے حاصل نہیں ہوتی اور یہ ہے اللہ تعالیٰ کے پاک نام کی باطنی برکت جو کاملین کی صحبت کے سوا حاصل نہیں ہوتی۔ اللھم وفقنا لما تحب وترضیٰ۔

حکیم محمد سعید

صحت اور اسلام

اسلام نے اصولِ صحت کو ایک نظم و ربط کے ساتھ پیش کیا ہے،

صحتِ جسمانی انسان کے لیے ایک نہایت قیمتی متاع ہے۔ اگر صحت اور تندرستی نہیں ہے اور اس سے انسان محروم ہے تو یقیناً انسان کوئی کام حسن و صحت اور خوبی کے ساتھ انجام نہیں دے سکتا۔ صحتِ جسمانی کو تاریخ کے ہر دور میں خواہ وہ کتنا ہی ماضی میں ہو انتہائی اور بنیادی اہمیت و حیثیت حاصل رہی ہے۔ صحت اور صحت مندی کے لیے انسان نے ہر دور میں انتہائی کوششیں کی ہیں جو مسلسل مثالی بنتی رہی ہیں۔ صحت اور صحت مندی کی اہمیت اور ضرورت کے بارے میں نقطۂ فکر میں شروع سے آج تک کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔

تاریخ عالم میں جو اقوام اپنے منتہائے کمال کو پہنچی ہیں ان کی کامیابیاں اور کامرانیاں اور ان کے کمالات کی تاریخ سے صحت کو کسی طرح خارج نہیں کیا جا سکتا بلاشبہ ان کامیاب و کامران اقوام و ملل نے صحت سے اپنا رشتہ ہمیشہ مضبوط و مربوط رکھا ہے اور صحت ہی سے مضبوطیٔ رشتہ کی بدولت وہ سرفراز اور سربلند رہی ہیں۔ وہ اقوام و ملل کہ جن کی آزادیاں سلب اور ضبط ہوئیں ان میں شدید انحطاطات آئے ان کے اسباب انحطاط میں نقصِ صحت سرفہرست رہا آزادی کی ضبطی اور غلامی اپنے ساتھ اور اپنے جلو میں جہالت لاتی ہے اور یہ جہالت حسن و قبح میں فرق و امتیاز کرنے کی صلاحیت سے محروم کر دیتی ہے۔ اور ایک غلام اور آزادی سے محروم انسان نہ صرف مسائل ملک و ملّت سے غافل ہو جاتا ہے بلکہ وہ خود اپنے مقام کو فراموش کر دیتا ہے۔

جہاں تک میں مطالعہ کر سکا ہوں اور جہانتک میں سمجھ سکا ہوں اس کا حاصل یہ ہے کہ اسلام سب سے پہلا مذہب ہے اور سب سے پہلا ضابطۂ حیات ہے جس نے صحت و صفائی کو لازم و ملزوم قرار دیا ہے اور جس نے صفائی اور صحت کے رشتے کو مربوط کیا ہے قرآن مجید اور شارع اسلام علیہ التحیۃ والسلام نے انسانی صحت و ثبات سے متعلق ایسی تعلیم دی ہے اور ایسی راہنمائی عطا کی ہے کہ کسی دوسری شریعت یا مذہب نے نہیں دی اس سے کسی طرح انکار نہیں ہے کہ دوسرے مذاہب و ملل میں بھی پاکیزگی و صفائی کا خیال تھا مگر وہاں اس کی حیثیت عمومی اور ثانوی تھی۔ اسلام نے سب سے ممتاز ہو کر اصولِ حفظِ صحّت کو ایک نظم و ربط کے ساتھ پیش کیا اور سب سے بڑا اور ممیّز کام یہ کیا کہ حفظ صحت اور طہارت کو ہم معنیٰ اور ہم مفہوم کر دیا اور اس طرح حیاتِ انسانی کو ایک ایسا تخیل دیا اور ایک راستہ بتایا جس نے مسلمانوں پر کامرانیوں کے دروازے کھول دیئے اور پھر انہوں نے اس ابواب کو سارے عالم ارضی پر واضح کر دیا اور صحت و طہارت کا وہ مفہوم اقوام عالم کو دیا جس سے اسلام سے پہلے انسان ناآشنائے محض تھا۔ اسلام کی روحانی تعلیم جس طرح عدیم النظیر اور عدیم المثال ہے اسی طرح صحت و طہارت کی اسلامی تعلیم بھی بے مثل اور بے عدیل ہے۔ بالکل ابتدائے زمانۂ اسلام میں جب اللہ تبارک و تعالیٰ جناب محمّد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نور ہدایت سے منور فرماتے ہیں تو تاکیدات میں اس تاکید

کو شامل فرماتے ہیں کہ :

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (المدثر : ۴)

یعنی : اپنے کپڑے (لباس) صاف ستھرے اور مطہر رکھا کرو اور ہر قسم کی غلاظت اور گندگی سے پرہیز کیا کرو۔"

قرآن و حدیث ایک طرف اصولِ حفظِ صحت بتاتے ہیں اور ان کی پابندی پر اصرار کرتے ہیں تو اس کے ساتھ ہی صفائی اور پاکیزگی اور طہارت کی انتہائی تلقین بھی کرتے ہیں۔ سونے اور جاگنے، غذا اور پانی، دانت صاف کرنا، غسل اور وضو، تازہ ہوا، ورزش اور آرام غرض ہر موضوع پر اسلام میں ہمیں بڑی واضح ہدایات ملتی ہیں۔ مثال کے طور پر نیند کو لینا چاہیئے۔ مناسب وقت تک نیند صحت مند زندگی کے لیے ضروری ہے اس سے تھکن دور ہو جاتی ہے۔ اعضائے جسمانی کو آرام ملتا ہے اور بدن کی کھوئی ہوئی طاقت بحال ہو جاتی ہے۔ قرآن کریم میں متعدد بار نیند موجب راحت و آرام قرار دی گئی ہے اور اس کا ترک کر دینا یا مناسب وقت سے کم کر دینا اسلام میں ہرگز پسندیدہ نہیں ہے۔ چنانچہ ابتدائے اسلام میں حضرت شارع علیہ التحیۃ والسلام کو جب آپ رات کا زیادہ حصہ بیداری اور عبادت الٰہی میں صرف فرماتے تھے۔ حق تعالیٰ نے تاکیدی حکم دیا۔

آپ مناسب وقت تک ضرور سویا کریں بے شک رات کا جاگنا نفس کو قابو میں لانے کا بہترین ذریعہ ہے لیکن اگر آپ طول دیں گے اور تھکن سے خود کو چور کر لیں گے (یعنی اپنی صحت خراب کر لیں گے)، تو دن کے کام اور دنیا کی ہدایت سے متعلق مہمات جلیلہ جو محنتِ شاقہ چاہتی ہیں کیسے انجام پائیں گی۔

یہ تاکید قرآنِ پاک کی سورۂ مزمل میں اس طرح ہے۔

يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا نِصْفَهُ أَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْئًا وَأَقْوَمُ قِيلًا إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا (المزمل : ۱ تا ۷)

حضورؐ کا معمول تھا کہ آپ دوپہر کے کھانے کے بعد تھوڑی دیر کے لیے آرام فرماتے تھے۔ سورۂ نور کے آٹھویں رکوع میں، جہاں گھر میں داخل ہونے کے لیے خدام اور باشعور نابالغ بچوں کو اجازت لینے کا حکم ہے وہاں خاص طور پر تین اوقات ایسے بیان ہوئے ہیں کہ گھر میں ان کو بغیر اجازت داخل نہیں ہونا چاہیئے۔ یعنی نماز عشا کے بعد، نماز فجر سے قبل اور دوپہر کے وقت کہ جب کپڑے اتار کر آرام کیا جاتا ہے

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دوپہر کو آرام کرنا چاہیئے ہم آج کے دور میں کہ جب انسان تسخیرِ ماہتاب کر چکا ہے اور تسخیرِ شمس کے لیے بیتاب ہے نیند کے بارے میں اہلِ علم و فضل سے ٹھیک وہی باتیں سنتے ہیں جن کے بارے میں قرآن و اسلام میں نہایت واضح ہدایات موجود ہیں اور جن کو ترک کر کے آج انسان نے اپنی صحت کو سخت خطرے میں ڈال دیا ہے ایک طرف نیند کے بارے میں یہ ہدایات ہیں دوسری طرف ذرا سا زور اس بات پر ہے کہ رات جلد سو جاؤ اور صبح جلد بیدار ہو جاؤ۔

نماز عشا کے بعد حکم ہے کہ اس کے بعد فوراً سو جانا چاہیئے۔ اور بلا ضرورت رات کو دیر تک نہیں جاگنا چاہیئے اور فضول باتوں میں یا کاموں میں وقت نہیں ضائع کرنا چاہیئے اور پھر ہدایت ہے کہ صبح پو پھٹتے ہی اٹھ کھڑا ہونا چاہیئے۔ کیونکہ یہ نماز فجر کا وقت ہے جو ہر مومن پر فرض ہے آج دنیا امراض و آلام میں جس بری طرح مبتلا ہے اس کے اسباب کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو ایک اہم سبب یہ نظر آئے گا کہ آج کے انسان نے نیند اور بیداری، یعنی سونے اور جاگنے کے ان بنیادی اصولوں کو ترک کر دیا ہے۔ قرآن و حدیث نے اس باب میں جو ہدایت دی ہے آج ساری دنیا اس کی تائید کرتی ہے اور ہر اصول جو قرآن و رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کی رہنمائی کے لیے عطا کیا ہے ہر حال میں اس کی تائید ہوتی ہے ہمیں سوچنا چاہیئے کہ قرآن و حدیث کو چھوڑ کر ہم کہاں جا رہے ہیں۔

(باقی صفحہ ۲۱ پر)

حافظ ریاض احمد ایم اے (عربی)، بہاولنگر

عربی زبان کی اہمیت اور فضیلت

عربی زبان کی اہمیت وفضیلت کا اندازہ اس بات سے ہو جاتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک عربی زبان میں نازل فرمایا۔ روایات اس پر متفق ہیں کہ کہ ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام کو سب سے پہلے جو زبان جنت میں بصورتِ تعلیم الفاظ سکھائی گئی تھی وہ عربی تھی اور اسی زبان کے ذریعے وہ اپنا ما فی الضمیر ادا کرتے امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے "الاتقان فی علوم القرآن" میں ایک روایت نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیائے سابقین پر جتنی کتابیں نازل ہوئیں۔ وہ سب عربی میں تھیں۔ ان انبیائے کرام نے ان کتابوں کا ترجمہ اپنی اپنی زبانوں میں کر دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں تو فرمایا گیا ہے کہ ہر نبی کو اس کی قوم کا ہم زبان بنا کر بھیجا گیا ہے۔ (وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِہٖ) لیکن یہ نہیں بتایا گیا کہ وہ آسمانی کتابیں بھی اسی قوم کی زبان میں تھیں۔ اس قسم کی روایت سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ جس طرح ہر حکومت کی اپنی دفتری زبان ہوتی ہے اور اسی میں تمام فرمان واحکام جاری ہوتے ہیں بالکل اسی طرح حکومتِ الٰہیہ کی دفتری اور سرکاری زبان عربی ہے انسان کو سب سے پہلے جنت میں یہی زبان سکھائی گئی اور دنیا میں سب سے پہلے انسان نے اسی زبان کو استعمال کیا ـــــ عربی زبان کی فصاحت وبلاغت اور اس کی وسعت و سہولت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس زبان کا انتخاب ہی اس لیے فرمایا تھا کہ وہ ساری دنیا کی زبانوں کے مقابلہ میں بہتر اور افضل ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جو قرآن وسنت کے بے مثل عالم وفقیہہ اور ایک بڑی دنیا کے امام ومتبوع ہونے کے ساتھ ادب اور لغت کے بھی ماہر امام ہیں وہ فرماتے ہیں کہ "عربی زبان تمام زبانوں میں وسیع زبان ہے اور جہاں تک ہمیں معلوم ہے اس زبان کے پورے لغات کا احاطہ سوائے نبی کے کوئی نہیں کر سکتا۔"

ابنِ درید نے "جمہرہ" میں اور خلیل نے "کتاب العین" میں جو کچھ اپنی معلومات اور یادداشت سے لکھا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ عربی زبان کے کل لغات پانچ کروڑ چھ لاکھ بیس ہزار مستعمل ہیں اور باقی مہمل ومتروک۔

جوہریؒ نے صحاح کے شروع میں لکھا ہے کہ عربی ہی لغت ہے جس کا مرتبہ اللہ تعالیٰ نے بلند فرمایا اور دین و دنیا کے علم کو اس کے ساتھ وابستہ فرما دیا اور علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے مزید فرمایا کہ "اس میں کوئی شک نہیں کہ لغت عربی کا سیکھنا اور معلوم کرنا دین کی ضروریات میں داخل اور ایک فرض کفایہ ہے۔"

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے درس قرآن دینے والوں پر پابندی لگائی ہوئی تھی کہ وہ عربی لغت سے پوری طرح واقف ہوں اور مفسرِ قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا۔ "جب تمہیں قرآن کے کسی لفظ میں اشکال پیش آئے تو اشعارِ عرب میں اس کو تلاش کرو کیونکہ عربی زبان کی تعبیر اور اس کے معانی کے تعین کے لیے اشعار عرب ہی معیار ہیں۔" اور بعض اہلِ علم نے دو شعروں میں عربی زبان کی ضرورت و

خطبہ جمعہ — ضبط و ترتیب : علوی

اللہ بڑی قوت والا ہے

جانشین شیخ التفسیر حضرۃ مولانا عُبیداللہ انور مدظلہم

بعد از خطبہ مسنونہ :

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم : بسم اللہ الرحمٰن الرحیم :—

هُوَ الَّذِیْ یُرِیْکُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّ طَمَعًا . . . . وَ هُوَ شَدِیْدُ الْمِحَالِ ۔ (رعد : ۱۱، ۱۲)

(صدق اللہ العلی العظیم)

محترم حضرات ! سورۂ رعد کی دو آیتیں آپ حضرات کے سامنے تلاوت کی ہیں —— رعد کا معنی کڑک، گرج اور گرجنے والا ہے۔ حضرات مفسرین کے نزدیک "رعد" اس فرشتہ کا نام ہے جو بادل کو ہانکتا اور چلاتا ہے۔ اس کی تائید میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایک روایت موجود ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہود نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ و اصحابہ وسلم سے سوال کیا کہ "رعد" کیا ہے؟ تو آپؐ نے یہی ارشاد فرمایا کہ وہ ایک فرشتہ ہے جو "ابر" (بادل) پر متعین ہے۔

اس ضروری اور اہم تفصیل کے بعد آیات کا ترجمہ سماعت فرمائیں :۔

"(اللہ) وہی ہے جو تمہیں خوف یا امید دلانے کے لئے بجلی دکھاتا اور بھاری بادلوں کو اٹھاتا ہے۔ اور "رعد" اس کی پاکی کے ساتھ اس کی تعریف کرتا ہے اور سب فرشتے (بھی) اس کے ڈر سے! اور بجلیاں بھیجتا ہے، پھر انہیں جس پر چاہتا ہے گرا دیتا ہے اور یہ تو اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں حالانکہ وہ بڑی قوت والا ہے۔"

(ترجمہ حضرت لاہوری قدس سرہٗ)

حضرت حق کی عظمت

محترم حضرات ! چند ہفتہ قبل کسی خطبہ میں اس سورۃ کے مضامین پر اجمالی طور پر عرض کیا جا چکا ہے کہ اس میں زیادہ تر دلائل توحید اور حضرت نبی کریم علیہ السلام کی نبوّت و رسالت کا اثبات ہے اور اس حقیقت کی طرف توجہ دلانی مقصود ہے، کہ آفتاب نبوّت کے طلوع ہونے کے بعد بھی بعض لوگ اس سے منوّر نہیں ہوتے بلکہ ظلمت و تاریکی میں ڈوبے رہتے ہیں گویا یہ ان کی سرشت بن چکی ہے اور انہیں اندھیرا ہی پسند ہے۔ یہ لوگ انبیاء علیہم السلام کے کے معاملہ میں جس بے اعتنائی اور بے راہروی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اس پر انہیں ندامت اور شرمندگی محسوس ہونی چاہیے بلکہ ڈرنا چاہیے کہ کیونکہ یہ حضرات تو اللہ تعالیٰ کے نمائندے ہیں جو اتنا عظیم و قدیر ہے جس کا ذکر ان آیات اور ان کے علاوہ متعدد آیات میں کیا گیا ہے۔

حضرت لاہوری قدس سرہٗ فرماتے ہیں :۔

(۱۲) اللہ تعالیٰ اپنی قوت کا کمال بجلی کے چمکنے سے دکھاتا ہے اور پانی سے بھرے ہوئے بادلوں کو اوپر اٹھاتا ہے —

(۱۳) اس کی عظمت و جلال کا پتہ اس طرح چلتا ہے کہ فرشتہ رعد اس کی تسبیح و تقدیس میں مصروف رہتا ہے اور بقیہ تمام فرشتے اس کے خوف سے ڈرتے ہیں (حواشی حضرت لاہوریؒ ص ۳۹۶)

سبھی اس کے حضور جھکتے ہیں

ایک فرشتہ پر کیا منحصر ہے دنیا کی ہر چیز اس کے حضور جھکتی اور سجدہ ریز ہوتی ہے ارشاد باری ہے۔

(ترجمہ) اور چار و ناچار اللہ ہی کو آسمان والے اور زمین والے سجدہ کرتے ہیں اور ان کے سائے بھی صبح و شام۔ (رعد ۱۵)

(حضرت لاہوریؒ)

ایک دوسری جگہ فرمایا :۔

(ترجمہ) اور ایسی کوئی چیز نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ تسبیح نہ کرتی ہو لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔ (بنی اسرائیل ۴۴)

(حضرت لاہوریؒ)

دنیا کی ہر چیز کا یہ معاملہ ہے۔ انسانوں میں بلاشبہ ایسے سرکش ہیں جو اس سے دور رہتے ہیں لیکن نہیں، ان کا معاملہ بھی ایسا ہے کہ جب بہت رنج دیتے ہیں تو وہ اسی کے آستانے پر جھکتے ہیں —— متعدد آیات میں یہی مضمون وارد ہے — محض ایک کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں :۔

"اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے رب کو اس کی طرف رجوع کر کے پکارتا ہے۔ پھر جب وہ اسے کوئی نعمت اپنی طرف سے عطا کرتا ہے تو جس کے لئے پہلے پکارتا تھا اسے بھول جاتا ہے اور اس کے لئے شریک بناتا ہے تاکہ اس کی راہ سے گمراہ کرے، کہہ دو اپنے کفر میں تھوڑی مدت فائدہ اٹھالے بے شک وہ دوزخیوں میں ہے"

(زمر ۸ - ترجمہ حضرت لاہوریؒ)

حضرت لاہوریؒ نے فرمایا اور کیا خوب کہ :

"مصیبت کے وقت انسان اس کے دروازہ کو کھٹکھٹاتا ہے کام ہونے کے بعد بھول جاتا ہے" (حواشی ص ۷۲۳)

بہر حال اس ذات کبریا کا معاملہ ایسا ہے کہ اس کی عظمت و کبریائی ایک حقیقت ہے ایسی کہ کوئی بھی اس کا انکار نہیں کر سکتا۔

مولانا احمد سعید دہلوی قدس سرہٗ آیات کے پس منظر کے ضمن میں لکھتے ہیں :۔

"اس کا تعلق یا تو "اربد بن ربیعہ" یا "عامر بن طفیل" سے ہے۔ ان دونوں نے حضور کی خدمت میں گستاخانہ رویّہ اختیار کیا تھا چنانچہ اربد بن ربیعہ پر بجلی گری اور عامر طاعون میں مبتلا ہو کر ہلاک ہوا یا عرب کے ایک سرکش رئیس کے ساتھ تعلق ہے جس کو حضور علیہ السلام نے بلایا تو اس متکبّر نے کہا کون رسول اللہؐ؟ اور اللہ کس چیز کا بنا ہوا ہے؟ وہ سونے کا ہے یا چاندی کا یا لوہے کا؟ غرض اس قسم کی بے ہودہ بکواس کرتا رہا اور باوجود حضورؐ کے بلانے بلانے کے نہیں آیا۔ جب وہ یہ بکواس کہہ رہا تھا تب اس پر بجلی گری"

(کشف الرحمٰن ص ۳۹۸)

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں :۔

"خدا کی ذات شان انعام و انتقام دونوں کی جامع ہے اسی مناسبت سے یہاں بعض ایسے نشانہائے قدرت کی طرف توجہ دلائی جن میں بیک وقت امید و خوف کی متضاد کیفیتیں پیدا کرنے کی صلاحیت ہے۔ یعنی جب بجلی چمکتی ہے تو امید بندھتی ہے کہ بارش آئیگی اور ڈر بھی لگتا ہے کہ کہیں رگر کر ہلاکت کا سبب نہ بن جائے، بھاری بادل پانی کے بھرے ہوئے آتے ہیں تو خوشی ہوتی ہے کہ بارانِ رحمت کا نزول ہوگا ساتھ ہی فکر رہتی ہے کہ پانی کا طوفان نہ آ جائے۔ ٹھیک اسی طرح انسان کو چاہیئے کہ رحمتِ الٰہی کا امیدوار رہے مگر مکر اللہ (اللہ کی تدبیر سے) مامون اور بے فکر نہ ہو —— آگے

مولانا نے جدید تحقیقات کی روشنی میں صاعقہ برق اور رعد وغیرہ پر فاضلانہ گفتگو کی ہے اور توجّہ دلائی ہے کہ جب چند حکمائے طبیعین کی بات تمہارے لئے اتنی معتبر ہے تو انبیاء علیہم السلام کے مشاہدات و تجربات کے متعلق انکار کی کیا گنجائش ہے؟ انہوں نے سائنس و اسلام کی فرضی دشمنی پر تنبیہ کی اور اس سے روکا ہے —— ان آیات کے پس منظر میں وہی بات ارشاد فرمائی ہے جو پہلے کشف الرحمٰن کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے۔

اور آخر میں لکھا ہے — رعد کی آواز سن کر کہنا چاہیئے۔

سُبْحَانَ مَنْ يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ اَللّٰهُمَّ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ وَلَا تُهْلِكْنَا بِعَذَابِكَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذٰلِكَ (عثمانی ص ۳۲۴)

ربّانی تنبیہات

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز! بارہا عرض کیا گیا کہ انسانی اعمال پر نتائج مرتب ہوتے ہیں اور ضرور! خالقِ ارض و سما نے متعدد جگہ فرمایا کہ خیر و تقویٰ کی زندگی بسر کرنے پر زمینی و آسمانی برکات و فتوحات تمہارا مقدّر بن جائیں گی، اس کے بالمقابل تم نے کفر و معصیت اور فسق و فجور کی زندگی گذاری تو اللہ تعالیٰ کی گرفت تمہیں اپنی لپیٹ میں لے لے گی —— ضروری نہیں کہ یہ گرفت طوفان نوحؑ کی شکل میں ہو یا بستیاں الٹا دینے کے انداز میں —— ایسا عذاب جس سے پوری قوم ملیا میٹ ہو جائے۔ ویسے بھی اب حکمت ربانی کے خلاف ہے۔ ہاں اِدھر، اُدھر، یہاں، وہاں اس قسم کے واقعات ہوتے ہیں اور ضرور —— اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے :۔

(ترجمہ) کہہ دو وہ اس پر قادر ہے کہ تم پر عذاب اوپر سے بھیجے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے یا تمہیں مختلف فرقے کر کے ٹکرا دے اور ایک کو دوسرے کی لڑائی کا مزہ چکھا دے —— دیکھو ہم کس طرح مختلف طریقوں سے دلائل بیان کرتے ہیں۔ تاکہ وہ سمجھیں۔

(الانعام ۶۵ — حضرت لاہوریؒ)

حضرت لاہوریؒ کے بقول :۔

"تمہیں اپنی شامتِ اعمال سے ڈرنا چاہیئے۔ کہ وہ ان تینوں قسموں کا دے سکتا ہے۔

اور اس قسم کے عذاب آتے رہتے ہیں تنبیہ ہوتی رہتی ہے —— ابھی گذشتہ دنوں نارنگ منڈی اور قلعہ دیدار سنگھ کے علاقہ میں جو کچھ ہوا وہ کیا قیامت سے کم قصّہ تھا۔ نصف نصف کلو کے اولے، آگ کے شرارے، زلزلہ اور آندھی کیا کچھ نہیں ہوا —— لیکن آہ انسان کی غفلت و مدہوشی کا ماتم نہ کیا جائے تو کیا کیا جائے کہ یہ قوم اب پتھر دل ہو چکی ہے قساوتِ قلبی کا شکار ہو چکی ہے، بیت المقدس پر اسرائیلی قبضہ، یوگنڈا پر عیسائی تسلّط، افریقہ اور ایشیا کے متعدد مسلم ممالک میں خانہ جنگی کی کیفیت، ایران و عراق کی لڑائی، افغانستان کی صورت حال اور خود اپنے یہاں کے بدترین حالات —— یہ سب کیا ہے۔ قدرت کی تنبیہات ہیں —— اس زبردست اور توانا خدا کی طرف سے الارم ہے، سنبھل جانے کا الٹی میٹم ہے —— خدا را اٹھو، مسجدوں کو آباد کرو، ذکر و فکر کی محفلیں بساؤ، اپنے گھر، دکان، دفتر اور کارخانہ میں خدائی احکامات کی اطاعت کرو، منکرات سے دامن جھٹک دو، اس پاک رب کے حضور توبہ کرو، روؤ اور استغفار کرو —— ورنہ، مٹ جاؤگے، تمہاری داستاں لکھنے والا کوئی نہیں ہوگا —— اے اللہ! ہمارے دلوں کی قساوت کو نرمی کے ساتھ بدل دے، ہمیں اپنے گناہوں کا احساس بخش، ان پر ندامت کی توفیق بخش، توبہ و انابت کی توفیق

(باقی ۳ پر)

فضیلت کو اس طرح بیان فرمایا ہے۔
حِفْظُ اللُّغَاتِ عَلَيْنَا
فَرْضٌ كَفَرْضِ الصَّلٰوةِ
فَلَيْسَ يُضْبَطُ دِيْنٌ
اِلَّا بِحِفْظِ اللُّغَاتِ
یعنی عربی کا یاد کرنا نماز کی طرح ایک فرض ہے کیونکہ کسی دین کو بغیر حفظ لغات کے محفوظ نہیں رکھا جا سکتا اور امام ثعلبؒ نے اپنی " امالی " میں فرمایا کہ فقیہ کو عربی لغت کے علم کی شدید ضرورت ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ " المدخل الی العربیہ " میں فرماتے ہیں کہ عربی زبان امور دین میں سے ہے اور اس کا سیکھنا واجبات میں سے ہے اس لیے کہ قرآن و حدیث کا سمجھنا فرض ہے اور وہ بغیر لغت عربیہ کے نہیں سمجھا جا سکتا۔ اور جو چیز تحصیل واجب کا ذریعہ ہو وہ واجب ہوتی ہے۔ (المدخل ص۱۸)

عربی زبان کی فضیلت کا اندازہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے بھی ہوتا ہے۔ جس کے راوی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں وہ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ " اَحِبُّوا الْعَرَبَ بِثَلَاثٍ لِاَنِّيْ عَرَبِيٌّ وَالْقُرْاٰنُ عَرَبِيٌّ وَكَلَامُ اَهْلِ الْجَنَّةِ عَرَبِيٌّ " کہ عرب سے تین وجہ سے محبت کرو۔ میں عربی ہوں۔ قرآن عربی میں ہے اور جنت والوں کی زبان عربی ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو طواف میں فارسی میں بات کرتے ہوئے سنا تو اس کے دونوں بازو پکڑے اور فرمایا کہ عربی زبان کی طرف راستہ تلاش کرو۔ یعنی عربی سیکھو کیونکہ اس سے مروّت میں زیادتی ہوتی ہے۔ (یعنی مکارم اخلاق اور مردانہ صفات میں زیادتی ہوتی ہے۔)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے متعدد روایات جن کو حافظ ابن تیمیہؒ نے " اقتضا " میں نقل کیا ہے۔ ان سب کا مقصد عربیّت کی ترغیب اور اس کے سیکھنے کا تقاضا ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ نے " اقتضا " میں حضرت امام شافعیؒ سے نقل کیا ہے کہ ضروری ہے ہر اس شخص کے لیے جو عربی سیکھ سکتا ہو۔ عربی سیکھے اس لیے کہ یہی زبان اس قابل ہے کہ جس میں رغبت کی جائے۔ البتہ دوسری زبانوں کا سیکھنا بولنا حرام نہیں۔ (اقتضاء ص۲۰۴)

علماء و فقہا کے اقوال سے عربی زبان کی اہمیت و فضیلت کا اندازہ ہوتا ہے یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام اور عربی زبان کا جو باہمی رشتہ ہے وہ محتاج بیان نہیں اسلام کا قانون عربی زبان میں ہے۔ اسلام کا آسمانی صحیفہ قرآن حکیم عربی میں ہے۔ اسلام کے پیغمبر خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مادری زبان عربی ہے۔ رسالت مآب کی تمام تر تعلیمات ہدایات اور ارشادات کا پورا ذخیرہ عربی زبان میں ہے۔

اب جبکہ پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کے لیے کوششیں ہو رہی ہیں۔ عربی زبان و ادب کی افادیت اور بھی بڑھ گئی ہے اسلامی نظام کے قیام کے لیے وہی لوگ مدد و معاون ثابت ہو سکیں گے جو اسلامی قانون کے بنیادی مآخذ کا مطالعہ براہِ راست کر سکیں گے۔ اور اسلامی قانون کے اصل اور بنیادی مآخذ تک رسائی عربی زبان کی تعلیم و تدریس کے بغیر ناممکن ہے ؞

بقیہ : صحت اور اسلام

صحت اور تندرستی خدا تعالیٰ کی عظیم نعمتوں میں سے ایک ہے صحت کی حفاظت کرنا، اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے مترادف ہے۔ انسان جس چیز کی قدر کرتا ہے وہ اس کا اور زیادہ مستحق قرار پاتا ہے اور اس سے محروم نہیں ہوتا۔ ناقدری ایک طرح کی ناشکری ہے صحت کی قدر نہ کرنا اس کو کھو دینے کی کوشش کرنا ہے اور بیماریوں کو دعوت دینا ہے اپنی صحت کی قدر کیجئے اصولِ حفظ صحت پر عمل کیجئے پاک صاف رہیئے اور اس حدیث شریف کو ہمیشہ ذہن میں رکھیئے۔ کہ
الطہور شطر الایمان
پاکیزگی نصف ایمان ہے۔

محمد یحییٰ کشمیری

(قسط نمبر ۱)

آزاد کشمیر کی دینی اصلاحات

ماضی اور حال کے آئینہ میں

آزاد کشمیر کا موجودہ خطہ جو چار اضلاع پر مشتمل ہے ہمیشہ دینی اقدار و روایات کا حامل رہا ہے۔ حتیٰ کہ ڈوگرہ حکومت کی ناروا پابندیوں کے باوجود یہاں کے مسلمان اپنے دینی رجحانات اور جذبات کی آبیاری کرتے رہے بالآخر یہی دینی جذبات و احساسات ایک کافر اور ظالم حکومت سے آزادی حاصل کرنے کا سبب بنے اور انتہائی خونریز جنگ کے بعد اس خطہ کو آزاد کرانے میں مسلمانان کشمیر کامیاب ہو گئے۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ خطہ ارضی قلم و قرطاس سے نہیں بلکہ سیف وسنان سے حاصل کیا گیا ہے تو بیجا نہ ہوگا۔ آزادی کے حصول کا واحد مقصد صرف اللہ تعالیٰ کے احکام کو مخلوقِ خدا پر نافذ کرنا تھا اس سلسلہ میں آزاد کشمیر حکومت کے قیام سے لے کر آج تک کیا کچھ ہوا۔ اس کی مختصر تاریخ مندرجہ ذیل ہے۔ جو چار ادوار میں بیان کی جاتی ہے۔

پہلا دور

پہلا دور آزادی کے بعد سے ۵۰ء تک کا دور ہے مگر اس دور میں جو کچھ اصلاحات ہوئیں ہیں وہ درحقیقت آزادی کے متصل زمانہ کی ہیں۔ اس زمانہ میں جمعیتہ العلماء آزاد جموں و کشمیر کے زبردست دباؤ کے پیشِ نظر نظام تعلیم میں اسلامی اقدار و روایات کو سمونے کے لیے سکولوں کالجوں میں اورنٹیل اساتذہ کا تقرر کیا گیا دینی تعلیم کو موثر بنانے کے لیے انسپکٹر دینیات کا تقرر بھی عمل میں آیا۔ جو سرکاری مدارس کی کارکردگی کو بہتر بنانے کی نگرانی کرتا تھا، اسی طرح اس دور میں ملازمین کو دینی تعلیم سے روشناس کرانے کے لیے درس قرآن حکیم کا باضابطہ اجراء کیا گیا۔ اور جمعیتہ علماء کے شدید مطالبہ پر لوگوں کی دینی رہنمائی کے لیے ۴۹ء کو "محکمہ افتاء" کا قیام بھی عمل میں لایا گیا۔ جس کی رُو سے مفتیانِ کرام کو افتاء کی ذمہ داریوں کے علاوہ پوری ریاست میں چل پھر کر دعوت و تبلیغ کا کام بھی سونپا گیا اور درس قرآنِ حکیم کو بھی ان کے فرائض اور ذمہ داریوں میں شامل کیا گیا اسی ابتدائی دور میں اکابرینِ جمعیت نے اپنے اثر و رسوخ کو بروئے کار لا کر ہفتہ وار تعطیل اتوار کی بجائے جمعہ کو قرار دلائی جو ۴۹ء سے ۵۲ء تک معمول بہ رہی بعد میں وزارت امور کشمیر نے بند کر کے حسبِ سابق چھٹی کا دن اتوار ہی کو قرار دیا اسی طرح اکابرینِ جمعیت کی مساعی جمیلہ سے قاضی ایکٹ مجریہ ۵۰ء نماز و زکوٰۃ ایکٹ و حرمت شراب ایکٹ مجریہ ۴۹ء کا بھی اجراء ہُوا۔

اس پہلے دور میں اس قسم کے لوگوں کے پاس بھی اقتدار آیا جنھوں نے دینی اصلاحات میں پیش رفت کرنے کی بجائے ابتدائی دور کے قائم شدہ "محکمہ افتاء" کو بھی ختم کرنا چاہا مگر اکابرینِ جمعیت کے شدید ردعمل کے پیشِ نظر اس حکم میں تبدیلی کی اور ختم کرنے کی بجائے اسے باقی رکھنے کا اعلان تو کر دیا مگر ایک چور دروازہ پھر بھی کھلا رکھا۔ یعنی یہ کہ فیصلہ کیا گیا کہ مفتیانِ کرام جب تک اپنی سروس کی میعاد کو نہ پہنچیں انہیں ہٹایا نہیں جائے گا البتہ کسی مفتی کی وفات یا اس کی ریٹائرمنٹ کے بعد اس خالی آسامی کو پُر نہیں کیا جائے گا چنانچہ اس تدبیر سے ریاست میں کافی اسامیاں کالعدم ہو کر رہ گئیں تھیں۔

اسی دور کے دوسرے عشرے میں ایسے لوگ بھی برسر اقتدار آئے جنھوں نے عائلی قوانین اور خاندانی منصوبہ بندی جیسے غیر اسلامی قوانین کے نفاذ کی کوشش کی بلکہ نفاذ کا اعلان بھی کر دیا تھا خدا بھلا کرے اکابرینِ جمعیت کا کہ انہوں نے پورے کشمیر اور خاص کر ضلع پونچھ کا تفصیلی دورہ کر کے عوام الناس کو ان غیر اسلامی قوانین کے پس منظر اور حقیقت سے آگاہ کیا جس کی وجہ سے حکومت نے گھٹنے ٹیک دیئے اور مذاکرات کے لیے علماء کو دعوت دی۔ اکابرین جمعیت نے امیر جمعیت مولانا محمد یوسف خاں کی قیادت میں ملاقات کی، مذاکرات طول پکڑ گئے چھ دفعہ اس موضوع پر گفتگو کے لیے علماء اور حکومت کی ملاقاتیں ہوئیں۔ علماء نے ہر ملاقات میں اپنے موقف کو بڑے حسن وخوبی سے بیان کیا اور ان غیر اسلامی قوانین کی شدید مخالفت کی جس کے نتیجہ میں مسٹر کے۔ ایچ۔ خورشید نے اپنے اعلان اور حکم کو واپس لے لیا۔

دوسرا دور

دوسرا دور سنہ ۷۱ء تا سنہ ۷۴ء کا دور ہے اس دور میں بھی چند دینی اصلاحات کے نفاذ کا اعلان ہُوا۔ مثلاً شلوار اور قمیص کو سرکاری لباس قرار دیا گیا۔ اسکولوں اور کالجوں میں حفاظ اور قراء حضرات کا تقرر کیا گیا جیلوں کے قیدیوں کی اخلاقی حالت بہتر بنانے اور دینی تعلیم کے لیے "جیل معلم" کے نام سے ایک شعبہ قائم کیا گیا۔ ہفتہ وار تعطیل اتوار کے بجائے جمعہ کو قرار دی گئی۔ چھوٹی عدالتوں میں قاضیوں کا تقرر، محکمہ امورِ دینیہ کا قیام۔ نومبدار مقدمات سے متعلقہ بعض اسلامی قوانین کے نفاذ کا اعلان کیا گیا چنانچہ ستمبر سنہ ۱۹۷۴ء، سرقہ، ڈکیتی، قتل اور ضربات کے قوانین کے علاوہ عشر و زکوٰۃ اور احترام رمضان سے متعلقہ قوانین کے نفاذ کا اعلان کیا گیا۔

البتہ اس دور میں ارتداد غیر مسلموں کے حقوق، قانونِ شہادت، قانونِ دیت سے متعلقہ اسلامی قوانین کے تیار شدہ مسودوں کو نظر انداز کر دیا گیا۔ اسی طرح "محکمہ افتاء" کو بالکل ہی ختم کر دیا گیا۔ جس کی عوام کو پہلے سے بھی زیادہ ضرورت تھی۔ اسی طرح اس دور میں حکومتی پارٹی کے ایک رکن نے اسمبلی کے اجلاس میں قراردادِ ختم نبوت پیش کر کے پاس تو کرا دی لیکن علماء کے بسیار مطالبات کے باوجود اس کی توثیق نہ کی گئی۔ اس قرار داد کے حق میں اکابرینِ جمعیت نے کشمیر کا دورہ کیا جگہ جگہ جلسے منعقد کیے گئے۔ عوام الناس کو مسئلہ ختم نبوت کی حقیقت سے آگاہ کیا اور عوام کی حمایت حاصل کی۔ دو ہفتے کے دورے کے اختتام پر راولا کوٹ کے مقام پر امیر جمعیت حضرت مولانا محمد یوسف خاں شیخ الحدیث دار العلوم تعلیم القرآن پلندری کی قیادت میں جب وفد نے عوامی جذبات سے صدر حکومت کو آگاہ کیا تو صدرِ موصوف نے جواب میں فرمایا۔

"میں آنکھیں بند کر کے چھلانگ
لگاؤں یا دیکھ کر"

اس پر وفد کے ایک رکن مولانا امیر الزماں خان نے کہا کہ:

"اللہ تعالیٰ نے آنکھیں دیکھنے کے لیے دی ہیں آپ دیکھ کر چھلانگ لگائیں اور یہ کار خیر کر گزریں"

اس پر صدر موصوف نے صاف انکار کر دیا چنانچہ بعد میں پاکستان کے ایک ہفت روزہ کو انٹرویو دیتے ہوئے صدر موصوف نے فرمایا کہ ہمارا ایسا کوئی پروگرام نہیں تھا یہ قرار داد تو ایک ٹ/ن ۷ ڈ ے آدمی نے پیش کر دی جس کو بہرحال منظور کرنا پڑا۔

اسی طرح اس دور میں قاضیوں کا تقرر بھی عمل میں آیا لیکن یہ عجیب بات سامنے آئی کہ سب ججوں اور سیشن ججوں کے ساتھ تو قاضیوں کا تقرر کیا گیا۔ لیکن عدالت عالیہ میں قاضیوں کے تقرر کو روا نہ رکھا گیا جس کا نتیجہ آئے دن یہ سامنے آتا ہے کہ اگر چھوٹی عدالتیں کسی معاملہ میں شرعی فیصلہ صادر کرتی ہیں تو عدالتِ عالیہ میں جا کر اس کے خلاف فیصلہ کرایا جاتا ہے حالانکہ اس وقت کی حکومت نے جن اختیارات سے اس شعبے کو عملی شکل دی تھی انہی اختیارات سے اس شعبہ کی جملہ آسامیاں بھی پُر کر سکتی تھی۔ گویا اس دور میں ایک شعبہ کا عملی طور پر اضافہ تو ضرور ہُوا لیکن عدالتِ عالیہ میں اس کے فیصلوں کو عدم تحفظ سے اس شعبہ کی توہین و تذلیل بھی خوب کی گئی کہ شرعی فیصلوں کو مغربی قوانین سے کالعدم کیا جائے۔

اسی طرح اس دور میں موجودہ قوانین کو اسلامی قوانین میں تبدیل کرنے کے لیے

ایک لا کمیشن بھی مقرر کیا گیا۔ اس لا کمیشن میں شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف خاں اور ان کے رفقاء نے بڑی لگن سے کام کیا لیکن حکومت کا برتاؤ علماء کے ساتھ کیسا تھا اس کا ایک واقعہ سے اندازہ ہو جائے گا۔ اور حکومت کے عزائم کا علم بھی ہو جائے گا۔ لا کمیشن کے آخری اجلاس میں جن مسائل پر بحث کرنی تھی حکومت نے ان کو انگریزی میں چھپوا کر وکلاء، جج صاحبان اور قانون دان حضرات کو پندرہ دن پہلے پہنچا دیا تاکہ وہ خوب مطالعہ کرکے اجلاس میں تشریف لائیں جبکہ علماء کرام کو اجلاس کے دن عین اجلاس کے وقت وہ مسودہ دیا گیا۔ مقصد ظاہر ہے۔ قاضیوں میں سے مولانا بشیر احمد اور مولانا مقبول احمد انگریزی بھی جانتے تھے۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یوسف خاں کے ارشاد پر ان دونوں حضرات نے خاص خاص جگہوں کی نشاندہی کی اس پر حضرت شیخ الحدیث نے ایک بصیرت افروز تقریر کی جو دس بجے سے لیکر ایک بجے تک رہی اس پر اسلامی قوانین پر کئے گئے تمام ملحدانہ اعتراضات کے جوابات بھی دیئے گئے اور اسلامی قوانین کے نفاذ کی برکات اور ثمرات کو بھی بڑی عمدگی سے بیان کیا جس پر صدر حکومت کو کہنا پڑا۔

"مولانا کی ٹھوس اور مثالی علمیت نے لا کمیشن کے دوران نہ صرف اپنی قابلیت کا لوہا منوایا بلکہ اسلامی قوانین کی بلندی اور برتری کو بھی سب تسلیم کروا لیا۔"

(ہفت روزہ ترجمان اسلام ۲۸ ستمبر ۸۳ء)

یاد رہے یہ آخری اجلاس جو صدر مملکت کی صدارت میں منعقد ہوا تھا اس میں آزاد کشمیر ہائی کورٹ کے تمام جج اور پورے آزاد کشمیر کے سب جج اور سیشن جج، سیکرٹری لاء، ایڈووکیٹ جنرل، تمام محکموں کے سربراہ، چیدہ چیدہ وکلاء آزاد کشمیر کے تمام مقتدر علماء کرام اور پاکستان کے بعض علماء کرام بھی شریک تھے۔

لاء کمیشن میں علماء کی اس محنت و مساعی کے نتیجہ میں مسودہ قانون تو تیار ہوگیا لیکن اس وقت کی حکومت نے اس کے نفاذ کے سلسلہ میں آخر وقت تک ٹال مٹول سے کام لیا بالآخر لوگوں کو خاموش کرنے کے لیے چند دفعات کے نفاذ کے اعلان پر ہی اکتفا کیا گیا۔

تیسرا دور

تیسرا دور ۷۴ء تا ۱۹۷۷ء کا دور ہے اس دور میں دو اہم امور خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ حضرت مولانا محمد یوسف خان نے اسمبلی رکن کی حیثیت سے اسمبلی کے ایک اجلاس میں عام سکولوں اور کالجوں میں نئی پود کو دینی تعلیم اور قرآنی تلفظ کی صحت اور درستگی کے لیے عربی، فارسی اور دینیات کے لیے الگ الگ اساتذہ کی تقرری کو ایک قرارداد کے ذریعے منظور کروایا۔

اسی طرح قرارداد ختم نبوت جس کی توثیق گزشتہ حکومت نہ کرسکی۔ مولانا محمد یوسف خاں نے اس کو اسمبلی میں پھر پیش کیا اور اس کی توثیق بھی کرائی جو ایک اہم اور تاریخی کارنامہ ہے حسن اتفاق کہیئے یا کرشمۂ قدرت کہ پاکستان میں مسئلہ ختم نبوت کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کی خدمات کو قبول فرمایا اور کشمیر میں شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف مدظلہٗ سے یہ مسئلہ اپنے انجام تک پہنچایا۔ گویا دونوں جگہ اللہ تعالیٰ نے یوسف ہی کو پسند فرمایا۔

چوتھا دور

چوتھا دور ۷۷ء تا ہنوز کا دور ہے۔ موجودہ حکومت نے کافی قابل ستائش کام سرانجام دیئے ہیں۔ خصوصاً اسلامی قوانین کی بعض دفعات کا نفاذ اس حکومت کی حسنات میں بنیادی حیثیت کا حامل ہے۔ متذکرہ بالا دوسرے دور میں بعض قوانین کے مسودہ قوانین مرتب ہونے کے باوجود اسے نظر انداز کر دیا گیا تھا۔ لیکن موجودہ دور میں بھی جو کچھ پیش رفت ہوئی ہے اس کا تعلق اس حکومت کے ابتدائی ایام سے ہے اس کے بعد یہ حرکت نہ صرف آگے بڑھی بلکہ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ رجعت قہقری کا ظہور ہو رہا ہے چنانچہ کچھ عرصہ سے آزاد کشمیر میں اسلامی قوانین کو چور دروازوں کے ذریعے ختم کرنے کی مہم شروع ہے اور اس مسئلہ میں ہمارے "ماہرین قانون" ید طولیٰ رکھتے ہیں جس کے ثبوت کے لیے مندرجہ ذیل تین ترامیم ملاحظہ فرمائیں۔

ترمیم نمبر۱: اگر دوران تفتیش یہ پایا جائے کہ دفعہ ۲۶ آزاد جموں وکشمیر

اسلامی (تعزیراتی) قوانین نفاذ ایکٹ ۱۹۷۶ء میں تعین شدہ شہادت کا وجود نہیں ہے تو چالان دیگر نافذالوقت ملکی قوانین کے تحت، ضابطہ فوجداری کے تحت قائم شدہ عدالت مجاز میں بغرض سماعت پیش کیا جائیگا۔

(آرڈیننس ۱۱ X آف ۱۹۸۰، ۲۶ر جنوری ۱۹۸۰ء)

اس ترمیم سے شرعی اعتبار سے جو نقائص واقع ہوتے ہیں ان کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

(۱) قولہ "تعین شدہ شہادت کا وجود نہیں ہے تو" اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اگر تعین شدہ شہادت موجود نہ ہو تو اسلامی قانون میں اس مقدمہ کا کوئی حل نہیں ہے لہذا پینل کوڈ کا رخ ضروری ہے حالانکہ یہ مفروضہ غلط ہے۔

(۲) پینل کوڈ کے تحت جو سزائیں دی جاتی ہیں ان کی حیثیت ظاہر ہے کہ تعزیری سزاؤں کی ہے اور اسلامی قانون میں سزاؤں کی اقسام ثلاثہ یعنی حدود، قصاص اور تعزیرات میں یہ سزا خود موجود ہے جو شہادت کے علاوہ قرائن قویہ سے دی جاسکتی ہے مگر اس کے باوجود اسلامی قانون کو چھوڑ کر پھر سے اپنا قبلہ پینل کوڈ کی جانب درست کرنا صحیح سمت کی غمازی نہیں کرتا۔

۳۔ اس صورتِ حال کا نتیجہ یہ ہوگا۔ مطلوبہ شہادت نہ ہونے کے باعث اس ترمیم کی رُو سے تعزیراتِ پاکستان کی دفعات ۳۰۲، ۳۲۵، ۳۲۶ وغیرہ کی سماعت ملکی قانون کے تحت ہوگی اس طرح سے اسلامی قانون کی رُو سے عوام کو جو حقوق حاصل ہوئے تھے وہ اُن سے چھین لیے گئے ہیں۔ مثلاً اسلامی قانون کی رُو سے اگر مستغیث قصاص نہیں لیتا تو اس کو یہ حق تھا کہ بغیر کسی حاکم کی منظوری کے وہ مجرم کو معاف کر دے یا فریقین مالِ صلح پر راضی ہو جائیں مگر اس ترمیم کے بعد جب تک تیسرا فریق یعنی حاکم مجاز راضی نامہ کرنے کی منظوری نہ دے فریقین ازخود ایسا کرنے کے مجاز نہیں ہیں اور یہ بات کہ تیسرا فریق اجازت دینے پر کس طرح آمادہ ہوگا تشریح کی محتاج نہیں۔

بقیہ : احادیث الرسولؐ

کریں ــــ لیکن یہ سب ہدایات آج عبث ہیں۔ خلقِ خدا یوں اجتماعی طور پر گمراہی کا شکار اور بدبختی کے گرداب میں پھنسی ہوئی ہے کہ خدا کی پناہ۔

دوسری بات ہے مظلوم کی دادرسی، اسے ظالم سے حق مل جائے، کمزور زورآور سے اپنا حق لے سکے۔ لیکن سوچیں کہ یہ بات کہیں ہے؟ آج دنیا بھر میں جنگل کے قانون والی ضرب المثل ثابت ہو چکی ہے۔ خود مسلم دنیا کا یہ حال ہے کہ وہاں بھی بڑی مچھلیاں چھوٹی مچھلیوں کو ہڑپ کر رہی ہیں، جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا مکروہ قانون خود مسلمانوں کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے ہے اور مظلوم و کمزور طبقہ ذلت و خواری کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہے۔ ستم رسیدہ شخص کسی دروازے پر جائے، اس کی فریاد تک کوئی نہیں سنتا چہ جائیکہ کوئی اس کی دادرسی کرے ــــ سرکارِ دو عالم علیہ السلام اس قماش کے معاشرہ کے متعلق فرما رہے ہیں کہ اللہ کی طرف سے اس کا کب بھلا ہوگا؟ وہ کیسے پاکیزگی کے ماحول میں ڈھل سکے گا ایسا معاشرہ گندگی کا کیڑا ہوتا ہے جو گندگی ہی کو پسند کرتا ہے اور اسی پر خوش ہوتا ہے۔

آج ہمارا حال یہی ہے۔ یہاں نہ انصاف ہے نہ مظلوم کی دادرسی، اس لئے ڈر لگتا ہے کہ کیا ہوگا؟ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ حکومتوں اور معاشرہ کی تباہی میں ظلم جتنا مؤثر کردار ادا کرتا ہے اتنی کوئی اور چیز مؤثر نہیں ہوتی ــــ آئیں اپنے اعمال کا جائزہ لیں، اللہ سے ڈریں اور ہدایاتِ نبوت پر عمل کریں ــــ اللہ تعالےٰ توفیق خیر سے نوازیں۔ آمین!

تعارف و تبصرہ

تبصرہ کے لئے کتاب کی دو جلدیں دفتر میں آنا ضروری ہے۔ (مدیر)

کتابت حدیث (عہد رسالت و عہد صحابہ میں)

مصنف: مولانا محمد رفیع عثمانی
قیمت: -/۲۱ روپے
ملنے کا پتہ: ادارۃ المعارف دار العلوم کراچی ۱۴

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ کے صاحبزادے اور دار العلوم کراچی کے مہتمم مولانا مفتی محمد رفیع کی یہ پانچویں کتاب ہے جو "ادارۃ المعارف" کی طرف سے شائع ہو رہی ہے۔ کتاب کا موضوع نام سے ظاہر ہے۔ دنیا بھر کے مستشرقین اور برصغیر کے منکرین نے اسلام کی بنیادوں کو کھوکھلا کرنے کے لئے جو مکروہ کردار ادا کیا ہے اور اب تک کر رہے ہیں اس سے باشعور طبقہ واقف ہے۔ اس سلسلہ کی ایک کڑی ان طبقات کا وہ لغو اور بے ہودہ اعتراض ہے جو احادیث کے متعلق کیا جاتا ہے اور باور کرایا جاتا ہے کہ یہ حدیثی مجموعے حضور علیہ السلام کے بہت بعد مرتب ہوئے ان کی کوئی حیثیت نہیں۔

بہرحال اس عنوان پر خاصا معرکہ کا لٹریچر موجود ہے جس میں اس طبقہ کی ریشہ دوانیوں پر بخوبی روشنی ڈالی گئی ہے۔ لیکن ایک سہل عام فہم کتاب کی ضرورت زیر تبصرہ کتاب پوری کرتی ہے جس سے عوام و خواص برابر استفادہ کر سکتے ہیں۔

دو سو کے قریب صفحات کی اس کتاب میں حدیث اور اس کی حفاظت، تحریر و کتابت اور عربی خط کی ابتداء، عہد رسالت میں کتابت حدیث، عہد صحابہؓ میں کتابت حدیث، عہد صحابہؓ میں تابعین کی تحریری خدمات جیسے مرکزی عنوانات کے ضمن میں شرح و بسط سے گفتگو کی گئی ہے۔ موصوف نے دوسری صدی ہجری میں تدوین حدیث کے عنوان پر اس موضوع کا حق ادا کر دیا ہے اور آوارہ فکر لوگوں کے اعتراضات کے لچر اور پوچ ہونے کو واضح کیا ہے۔

یہ کتاب اختصار کے باوجود معرکہ کی ہے۔ کتابت و طباعت اپنی جگہ مثالی اور جلد بہت پختہ اور خوبصورت!

ہمیں امید ہے کہ دینی درد رکھنے والے اس کی عام اشاعت کا اہتمام کریں گے۔ علماء، طلبہ، خواص اور دوسرے اہلِ ذوق مسلمان اس کو جلدی حاصل کر کے قلب و نظر کی طمانیت کا سرمایہ فراہم کریں گے۔

ماہانہ مجلس ذکر

حسب سابق ان شاء اللہ تعالیٰ مسجد خضرا، سمن آباد لاہور میں زیر صدارت حضرت مولانا عبید اللہ انور دامت برکاتہم مورخہ ۵ اپریل بروز اتوار بعد نماز مغرب منعقد ہوگی۔ دعوت عام ہے۔

بادۂ شیراز در جامِ اردو

دلِ سرا پردۂ محبّت اوست
دیدہ آئینہ دارِ طلعتِ اوست

من کہ سر در نیاورم بدو کون
گردنم زیرِ بارِ منّتِ اوست

تو و طوبیٰ و ما و قامتِ یار
فکرِ ہر کس بقدرِ ہمّتِ اوست

دورِ مجنوں گذشت، نوبتِ ماست
ہر کسی پنجروزہ نوبتِ اوست

من کہ باشم در آں حرم کہ صبا
پردہ دارِ حریمِ حرمتِ اوست

ملکتِ عاشقی و گنجِ طرب
ہر چہ دارم ز یُمنِ ہمّتِ اوست

من و دل گر فدا شویم چہ باک
غرض اندر میاں سلامتِ اوست

بے خیالش مباد منظرِ چشم
زانکہ ایں گوشہ خاص دولتِ اوست

گر من آلودہ دامنم چہ عجب
ہمہ عالم گواہ عصمتِ اوست

ہر گلِ نو کہ شد چمن آرائی!
اثرِ رنگ و بوی صحبتِ اوست

فقرِ ظاہر مبیں کہ حافظ را
سینہ گنجینۂ محبّتِ اوست

خواجہ حافظ شیرازیؒ

دل سرا پردۂ محبّت ہے
آنکھ آئینہ دارِ طلعت ہے

اک فقط تیرے آستانے پر
سر مرا زیرِ بارِ منّت ہے

تجھ کو طوبیٰ ہے مجھ کو قامتِ یار
فکرِ ہر کس بقدرِ ہمّت ہے

دورِ مجنوں گیا، ہے اپنا دور
زندگی پنج روزہ نوبت ہے

ہیں کہاں وہ حرم کہاں کہ صبا
پردہ دارِ حریمِ حرمت ہے

دولتِ عشق و گنجِ عیش و طرب
جو بھی ہے حسن کی بدولت ہے

میں بھی مٹ جاؤں، دل بھی مٹ جائے
نہیں پروا جو تو سلامت ہے

منظرِ چشم ہے خیال اس کا
گوشۂ چشم اس کی دولت ہے

میں گناہگار ہوں مگر، اس پر
سارا عالم گواہِ عصمت ہے

گلستاں کے ہر اک گلِ نو میں
رنگ و خوشبو تو اس کی صحبت ہے

وضع حافظ کی ہے فقیرانہ
سینہ گنجینۂ محبّت ہے

آزاد شیرازی